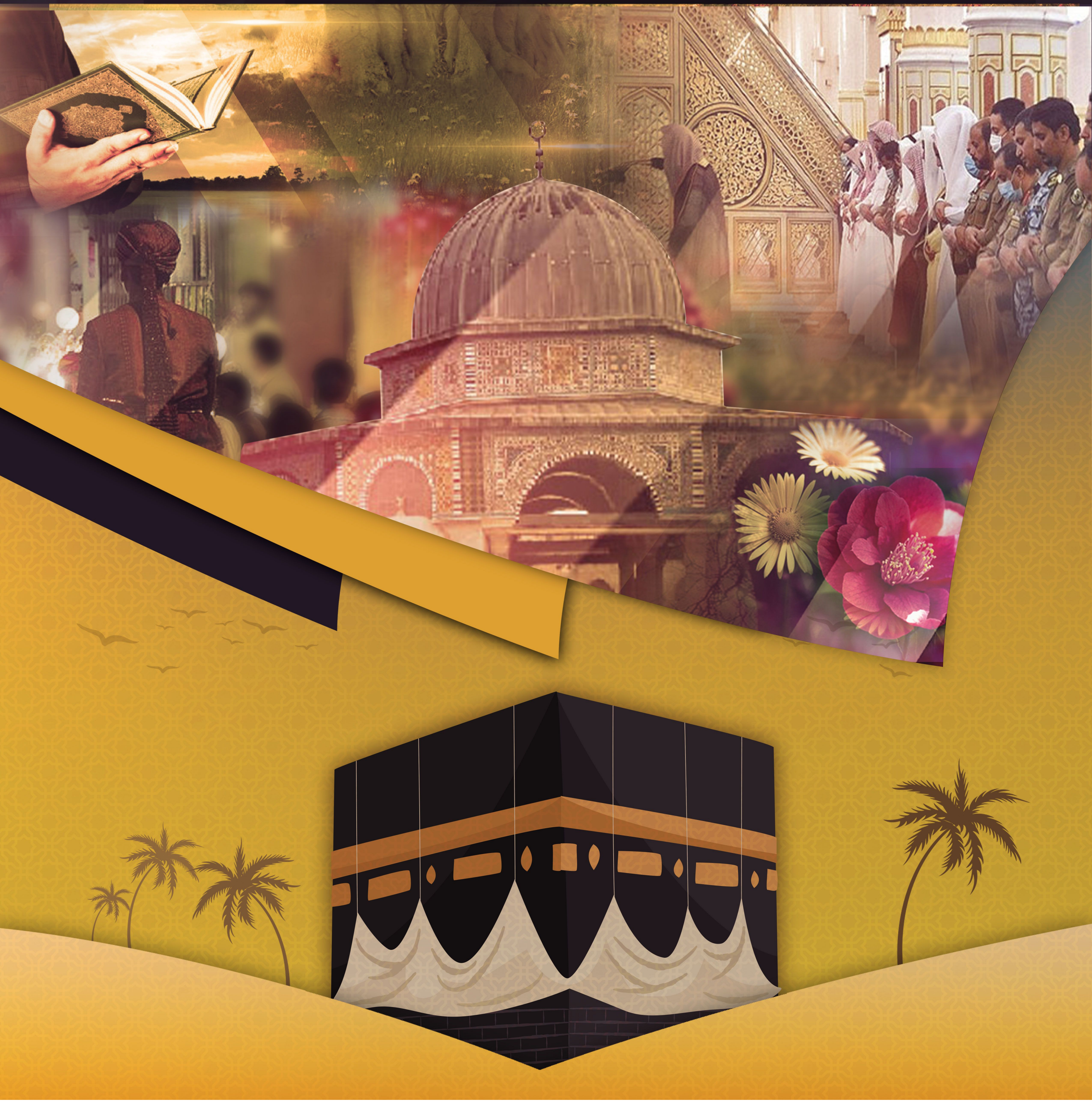
ماهنامه

صراطِ مستقیم

برمنگھم

November 2023



وَمَنْ يَعْتَصِمْ بِاللَّهِ فَقَدْ هُدِيَ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ

صراطِ مستقیم برمنگھم

بیاد
مولانا فضل کریم عاصم رحمہ اللہ
مولانا محمود احمد میرپوری رحمہ اللہ

Vol: 44 No. 01 November 2023
Rabi Al Thani/ Jumada al-Awwal 1445 AH
جلد: 44 شمارہ: 01 نومبر 2023ء
ربیع الثانی / جمادی الاول: 1445ھ

فہرست مضامین

Correspondence Address:
SIRAT-E-MUSTAQEEM
20 Green Lane, Small Heath,
Birmingham B9 5DB
Tel: 0121 773 0019
Fax: 0121 766 8779

ناشر: مرکزی جمعیت اہل حدیث برطانیہ
Markazi Jamiat Ahl-e-Hadith UK
www.mjah.org.uk/siratemustaqeem
E-mail: info@mjah.org.uk



بیت المقدس کی فضیلت اور مسئلے کا حل

فضیلۃ الشیخ جسٹس حسین بن عبد العزیز آل الشیخ

تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے مخصوص جگہوں کو بلند مقام عطا فرمایا، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں وہ یکتا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں وہی اعلی اور بلند وبالا ہے، اور میں یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ ہمارے نبی محمد اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، آپ کو اللہ تعالی نے مسجد الحرام سے مسجد اقصی تک راتوں رات سیر کروائی، یا اللہ! اُن پر، اُن کی آل، اور تمام متقی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر رحمتیں، سلامتی، اور برکتیں نازل فرما۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَتَّقُوا اللَّهَ يَجْعَل لَّكُمْ فُرْقَانًا وَيُكَفِّرْ عَنكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ﴾

"اے ایمان والو! اگر تم اللہ سے ڈرتے رہے تو اللہ تمہیں (حق و باطل کے مابین) تفریق کی قوت عطا کرے گا، تم سے تمہاری برائیاں دور کر دے گا اور تمہیں بخش دے گا اور اللہ بڑا ہی فضل کرنے والا ہے۔"(سورۃ الأنفال :29)

حمد وصلاۃ کے بعد:

ہر مسلمان کے دل میں ایک بہت ہی اہم مسئلہ جا گزین ہے اور وہ ہے مسجد اقصی کا مسئلہ؛ بیت المقدس قبلہ اول، حرمین شریفین کے بعد تیسری اعلی ترین مسجد اور سید ثقلین ﷺ کی جائے اسراہے۔

یہ عصر حاضر کا ایسا اہم ترین مسئلہ ہے کہ مسلم معاشرے کے ہر فرد کے ذہن میں ہر وقت اجاگر رہتا ہے؛ چاہے وہ مسلم معاشرہ بذات خود کسی بھی بحران کا شکار ہو یا ان کے اپنے حالات جس قدر بھی خراب ہوں مسئلہ فلسطین کبھی بھی ذہنوں سے اوجھل نہیں ہوتا۔

بیت المقدس اور اس کے احاطے میں مسجد اقصی کا وجود مسلمانوں کے ہاں عقیدے سے متعلقہ مسئلہ ہے، اس کا مسلمانوں کی تاریخ سے ناقابل فراموش اور گہرا تعلق ہے، بیت المقدس اور مسجد اقصی کے اس تاریخی تعلق کو کسی بھی صورت اسلامی تاریخ سے نکالنا ممکن نہیں؛ کیونکہ یہ امت کی پہچان ہے، یہ امت اسلامیہ کی اساسی علامت اور امت اسلامیہ کے ہاں مقدس مقام ہے۔

بیت المقدس کو یہ مقام حاصل کیوں نہ ہو! اللہ کی کتاب صبح شام ہمیں یاد کرواتی ہیں کہ

﴿سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَىٰ بِعَبْدِهِ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَى الَّذِي بَارَكْنَا حَوْلَهُ لِنُرِيَهُ مِنْ آيَاتِنَا ۚ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ﴾ (سورۃ بنی اسرائیل : 1)

"پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے کو رات کے کچھ حصے میں مسجد الحرام سے مسجد اقصی کی سیر کروا دی، جس مسجد کے ارد گرد ہم نے برکت فرمائی، تاکہ ہم اپنے بندے کو اپنی نشانیاں دکھائیں، بیشک وہی سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔"

مسجد اقصی ان تین مساجد میں سے ایک ہے جن کی جانب قرب الٰہی کی جستجو میں رخت سفر باندھا جا سکتا ہے، ان تینوں جگہوں کی جانب اللہ کا فضل طلب کرنے کے لیے سفر کر سکتے ہیں، جیسے کہ اس بارے میں رسول اللہ ﷺ سے صحیح احادیث ثابت ہیں۔

سر زمین بیت المقدس محشر (جمع ہونے) اور منشر (دوبارہ زندہ ہونے) کی جگہ ہے۔

چنانچہ رسول اللہ ﷺ کی لونڈی سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ "میں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! ہمیں بیت المقدس کے بارے میں بتلائیں" تو آپ ﷺ نے فرمایا: "وہ جمع ہونے اور زندہ ہونے کی جگہ ہے۔" (سنن ابن ماجہ)

بیت المقدس کا اسلام میں بلند مقام ہے، بیت المقدس کی اعلی ترین امتیازی صفات بھی ہیں۔

چنانچہ سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ "ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس آپس میں بات کر رہے تھے کہ کون سی مسجد افضل ہے؟ رسول اللہ ﷺ کی مسجد یا مسجد بیت المقدس؟" تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "میری اس مسجد میں ایک نماز بیت المقدس کی چار نمازوں سے افضل ہے، بیت المقدس نماز کے لیے بہترین جگہ ہے۔ عین ممکن ہے کہ گھوڑے کی رسی کے برابر بیت المقدس سے اتنی قریب جگہ جہاں سے بیت المقدس نظر آئے وہ بندے کے لیے دنیا ومافیہا سے بہتر ہو۔" (مستدرک حاکم)

اس حدیث پر غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہاں مسجد اقصی اور بیت المقدس کی شان کتنی عظیم تھی (کہ انہوں نے مسجد اقصی کا موازنہ مسجد نبوی سے کی۔)

بیت المقدس کی اسلام میں اتنی فضیلت کیوں نہ ہو! یہ تو رسول اللہ ﷺ کی جائے اسرا ہے، یہاں سے ہی آپ کو آسمانوں کی جانب لے جایا گیا۔

چنانچہ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "میرے پاس براق کو لایا گیا، وہ سفید رنگ کا گدھے سے بڑا اور خچر سے چھوٹا

جانور ہے، وہ اپنا قدم حد نگاہ پر رکھتا ہے، تو میں اس پر سوار ہوا اور بیت المقدس پہنچ گیا ۔" آپ ﷺ فرماتے ہیں: "میں نے براق کو کڑے سے باندھ دیا جہاں انبیائے کرام علیہم السلام (اپنی سواریاں) باندھتے ہیں۔" آپ ﷺ نے یہ بھی بتلایا:

"پھر میں مسجد میں داخل ہوا اور وہاں پر دو رکعت ادا کیں، پھر اس کے بعد جبریل علیہ السلام میرے پاس شراب کا برتن اور ایک دودھ کا برتن لائے؛ تو میں نے دودھ کا انتخاب کیا، تو جبریل نے کہا: آپ نے فطرت کو اختیار کیا ہے، اس کے بعد جبریل ہمیں آسمان کی جانب لے گئے۔" (صحیح مسلم)

بیت المقدس کے عظیم فضائل میں سیدنا عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کی روایت بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جس وقت سلیمان بن داود علیہما السلام بیت المقدس کی تعمیر سے فارغ ہوئے تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے تین دعائیں مانگیں:

1۔ قوت فیصلہ جو اللہ تعالیٰ کے فیصلوں کے عین مطابق ہو۔

2۔ ایسی بادشاہی جو ان کے بعد کسی کے لائق نہ ہو۔

3۔ اور اس مسجد میں نماز کی نیت سے آنے والا کوئی بھی ہو وہ جب یہاں سے واپس نکلے تو اپنے گناہوں سے ایسے پاک صاف ہو جیسے اس کی ماں نے اسے آج جنم دیا ہے) تو نبی ﷺ نے فرمایا:

"پہلی دو دعائیں تو ان کی قبول ہو گئیں تھیں اور مجھے امید ہے کہ تیسری بھی قبول ہو گئی ہو گی۔" (سنن نسائی؛ سنن ابن ماجہ)

اسلامی بھائیو! بیت المقدس اور مسجد اقصیٰ کی اسلام میں بہت فضیلت اور امتیازی خوبیاں ہیں، انہی خوبیوں نے بہت سے مسلم علمائے کرام کو مجبور کیا کہ صدیوں سے بیت المقدس کی فضیلت، شان اور حقوق کے متعلق مستقل تالیفات لکھتے چلے آئیں، چنانچہ اہل علم کی بہت بڑی تعداد نے مسجد اقصیٰ اور بیت المقدس کی مسلمانوں کے ہاں اہمیت اور فضیلت اجاگر کرنے کے لیے کتابیں لکھیں ان علمائے کرام میں سے چند یہ ہیں: بہاؤ الدین ابن عساکر ان کی کتاب: "الجامع المستقصى في فضائل المسجد الأقصى" ہے۔

امین الدین ابن ہبۃ اللہ شافعی ان کی کتاب: "كتاب الأنس في فضائل القدس" ہے۔

برہان الدین فزاری ان کی کتاب: "باعث النفوس إلى زيارة القدس المحروس" ہے۔

شہاب الدین احمد بن محمد مقدسی ان کی کتاب: "مثير الغرام إلى زيارة القدس والشام" ہے۔

حسین حسینی، ان کی کتاب: "الروض المغرس في فضائل البيت المقدس" ہے۔

ابن جوزی ان کی کتاب: " فضائل القدس" ہے۔

اور علامہ سیوطی کی کتاب: "اتحاف الأخصاء بفضل المسجد الأقصى" ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلم علمائے کرام پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے۔

اسی لیے تمام کے تمام مسلمان چاہے ان کا تعلق کسی بھی ملک اور خطے سے ہو، وہ کسی بھی جگہ کے رہائشی ہوں، سب مسلمان کسی بھی ایسے اقدام کو تسلیم نہیں کرتے جو مسئلہ قدس اور مسجد اقصیٰ پر منفی اثرات مرتب کرے؛ کیونکہ یہ اسلامی مقدسات ہیں کسی صورت میں ان کی بے حرمتی کی گنجائش نہیں۔ بلکہ بیت المقدس کے متعلق منفی اقدامات مسلمانوں کو اپنے مسلّمہ حقوق مزید پر زور طریقے سے مانگنے پر ابھارتے ہیں، ان کے مطالبے اپنے حقوق لینے، ظالم کو روکنے اور مظلوم کی مدد کے مقررہ اصولوں کے عین مطابق ہیں، ان کے یہ مطالبے سابقہ تمام آسمانی شریعتوں اور عالمی دستور میں بھی موجود ہے۔

آج پوری دنیا اس قسم کے کسی بھی اقدام کو ان تمام عالمی قرار دادوں کی خلاف ورزی شمار کرتی ہے جس میں واضح ہے کہ بیت المقدس اسلامی دار الحکومت ہے نیز یہ اسلام اور مسلمانوں کے مقدس مقامات میں سے ایک ہے۔

مسلم اقوام! امت مسلمہ کے مسائل دھواں دھار تقریروں اور زرق برق نعروں کے ذریعے حل نہیں ہوں گے، مسلمانو! مذمت، اظہارِ تشویش، احتجاج اور مظاہروں سے کوئی فائدہ نہیں ہو گا؛ کیونکہ مسلمانوں نے یہ تمام کام پہلے کتنی بار کر لیے ہیں، ماضی میں تسلسل کے ساتھ ان پر عمل رہا ہے، لیکن اس کے باوجود یہ ایسا رد عمل ہوتا ہے جو ظلم نہیں روک پاتا، ان سے نقصانات کا ازالہ نہیں ہوتا، ایسے اقدامات سے مسلح کاروائیوں اور جارحیت میں کمی نہیں آتی، اس لیے مسلمانو! اللہ تعالیٰ کی جانب حقیقی رجوع کے بغیر کوئی چارہ نہیں، اللہ تعالیٰ کی طرف اخلاص اور گڑگڑا کر رجوع لازمی ہے، اس کے ساتھ ساتھ اسلام اور مسلمانوں کے حقوق کو تحفظ دینے کے لیے بھرپور کوشش اور محنت بھی ہو۔

امت مسلمہ کی مدد اور فتح دل و جان کے ساتھ دینِ الٰہی کی مدد سے ہو گی، دین الٰہی کو تسلیم کر کے اس پر عمل پیرا ہوں اور اسے عملی شکل دیں۔ چنانچہ جس دن بھی امت دین الٰہی پر عمل پیرا ہو جائے گی، اللہ تعالیٰ کے احکامات اور شریعت کی پابند بن جائے گی، پوری امت اپنے تمام تر عملی اقدامات حقیقی دین سے حاصل کرے گی کہ جس دین کی بنیاد پر مسجد اقصیٰ کا مسئلہ کھڑا ہوا ہے تو تب امت مؤثر علاج اور مثبت نتائج حاصل کرنے میں کامیاب ہو گی، فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿إِن تَنصُرُوا اللَّهَ يَنصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ﴾ (سورۃ محمد : 7)

"اگر تم اللہ (کے دین) کی مدد کرو تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہیں ثابت قدم بنا دے گا۔"

کیونکہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور ان کے ہمراہ تمام تر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مسجد اقصی کو تب آزاد کروایا تھا جب انہوں نے غلبہ اسلام کیلیے دل و جان سے عملی اقدامات کئے تھے۔

اسلامی بھائیو! جس دن دلوں پر قرآن وسنت کا راج ہو گا، زندگی کے تمام شعبے عملی طور پر اس کی گواہی دیں گے تو مسلمان کبھی بھی کمزور اور ذلیل نہیں ہوں گے، انہیں کسی قسم کی پستی اور تنزلی کا سامنا نہیں ہو گا؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سچا وعدہ بتلا دیا ہے کہ

﴿وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ﴾ (سورۃ آل عمران: 139)

"اور نہ ہی کمزوری دکھاؤ اور غم بھی نہ کرو، اگر تم مؤمن ہو تو تم ہی غالب ہو۔"

مسلمانوں پر اب وقت آگیا ہے اور فلسطینی مسلمانوں پر خصوصاً؛ کیونکہ انہیں خطرناک چیلنجز کا سامنا ہے، ان چیلنجز نے پوری امت کی سلامتی کو خطرے میں ڈال دیا ہے کہ وہ نیکی اور تقوی کی بنیاد پر باہمی بھائی چارہ قائم کریں، دینی اور دیگر مفادات کے پیش نظر باہمی اختلافات ختم کریں، آپس کے جھگڑوں کا باعث بننے والے اسباب کو جڑ سے نکال پھینکیں۔ باہمی عداوت سے نکل کر اخوت کی جانب، دلی کدورت سے صاف دلی کی جانب، منہ موڑنے کی بجائے دل جوڑنے کی جانب آئیں، ایک دوسری کی کوتاہیوں سے صرف نظر کریں اور باہمی اتحاد و اتفاق کی راہ ہموار کریں۔ گروہ بندی اور تعصب اتار پھینکیں اور سلف صالحین والی اسلامی اخوت، ایمانی محبت کی روح اپنائیں، فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ ۖ وَاصْبِرُوا ۚ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ﴾ (سورۃ الأنفال: 46)

"اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو، باہمی تنازعات میں مت پڑو، ورنہ ناکام ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا تک اکھڑ جائے گی، اس (کی اطاعت) پر ڈٹ جاؤ، بیشک اللہ ڈٹ جانے والوں کے ساتھ ہے۔"

مسلمان جس وقت بھی اپنی حالت کو اسلامی تعلیمات کے مطابق مکمل طور پر ڈھال لیں گے کہ کسی بھی اعتبار سے کمی باقی نہ رہے، اسلامی تعلیمات کو ہی مکمل طور پر بالا دستی دیں، ظاہر و باطن ہر طرح سے شریعت پر ہی عمل پیرا ہوں، اسلامی تعلیمات کے سائے تلے اسلام کے لیے زندگی گزاریں جیسے کہ سلف صالحین نے اپنی زندگیاں گزاریں، جیسے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے بعد مسلمانوں نے زندگی گزاری، تو ان کی کوئی بھی کوشش اور کاوش ناکام نہیں ہو گی چاہے حالات کتنے ہی بگڑ جائیں، ان کے راستے میں کبھی اندھیرا نہیں ہو گا چاہے کتنی ہی رکاوٹیں کھڑی کر دی جائیں، شرط یہ ہے کہ جب تک وہ اسلام پر قائم رہیں، اسلامی احکامات کی پابندی کریں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سنتوں پر عمل پیرا ہوں اور انہی کو مضبوطی سے تھام کر رکھیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ يُدَافِعُ عَنِ الَّذِينَ آمَنُوا﴾

"بے شک اللہ تعالی ایمان لانے والوں کا دفاع فرماتا ہے۔" (سورۃ الحج: 38)

بصورت دیگر جب امت میں شہوت پرستی، گمراہ کن لہو و لعب، ہوس پرستی، اور شبہات کا راج رہے تو امت پر جارحیت، مصیبتیں اور ہر قسم کی بلائیں اور بحران آتے رہیں گے؛ کیا اللہ تعالی نے ہمیں صاف لفظوں میں نہیں فرمایا:

﴿وَمَا أَصَابَكُم مِّن مُّصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُو عَن كَثِيرٍ﴾ (سورۃ الشوریٰ: 30)

"اور تمہیں جو کوئی مصیبت پہنچے تو وہ تمہارے کیے دھرے کی وجہ سے ہے، اور اللہ بہت سی چیزوں سے در گزر فرمالیتا ہے۔"

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے غزوہ احد کے متعلق نہیں فرمایا:

﴿أَوَلَمَّا أَصَابَتْكُم مُّصِيبَةٌ قَدْ أَصَبْتُم مِّثْلَيْهَا قُلْتُمْ أَنَّىٰ هَٰذَا ۖ قُلْ هُوَ مِنْ عِندِ أَنفُسِكُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾

"بھلا جب (احد کے دن) تم پر مصیبت آئی تو تم چلا اٹھے کہ "یہ کہاں سے آگئی؟" حالانکہ اس سے دوگنا صدمہ تم کافروں کو پہنچا چکے ہو؟ آپ ان مسلمانوں سے کہہ دیں کہ یہ مصیبت تمہاری اپنی لائی ہوئی ہے، بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔" (سورۃ آل عمران: 165)

مسلم اقوام! یہ بات لازمی ہے کہ امت کو یقین کے تمام درجات کے ساتھ یہ یقین ہو جانا چاہیے کہ اس وقت جان لیوا بحرانوں اور گری ہوئی حالت سے نجات حقیقی اسلام کے ذریعے ہی ملے گی کہ جس کی بنیاد عقیدہ توحید پر قائم ہو، جس میں صحیح منہج کی اتباع ہو، کتاب و سنت کو سلف صالحین کے مطابق سمجھا جائے؛ تو یہی وہ بنیادی ترین اساس ہے جس میں شان و شوکت، غلبہ اور نصرت کا راز پنہاں ہے، اس کے لیے آپ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی سیرت کا مطالعہ کر کے دیکھیں کہ جس وقت انہوں نے بیت المقدس کو فتح کیا تو تمہیں تعجب خیز معلومات ملیں گی، ہمارے پروردگار کا فرمان ہے:

﴿الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُم بِظُلْمٍ أُولَٰئِكَ لَهُمُ الْأَمْنُ وَهُم مُّهْتَدُونَ﴾ "جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان کو ظلم (شرک) سے آلودہ نہیں کیا؛ تو انہی لوگوں کے لیے امن ہے اور وہی ہدایت یافتہ ہیں۔" (سورۃ الأنعام: 82)

ہمارے پروردگار کا یہ سچا وعدہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی

بتلائی ہوئی خبریں بھی سچی ہیں:
﴿وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ﴾
”اور مومنوں کی مدد ہم پر حق ہے۔“ (سورۃ الروم : 47)

ایسے ہی فرمایا:
﴿وَلِلَّهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَلَٰكِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَا يَعْلَمُونَ﴾ (سورۃ المنافقون : 8)
”عزت تو اللہ، اللہ کے رسول اور مومنوں کے لیے ہے؛ لیکن منافق اس بات سے نا آشنا ہیں۔“

اسی طرح فرمایا:
﴿ قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ﴾ (سورۃ المؤمنون : 1)
”یقینی بات ہے کہ مومن کامیاب ہو گئے۔“

مسلم اقوام! تمام مسلمانوں کی ذمہ داری ہے چاہے وہ کسی بھی منصب پر فائز ہیں کہ اقصی، بیت المقدس اور فلسطین جیسے بنیادی مسئلے کی حمایت میں صرف اسلام کی بنیاد پر کھڑے ہو جائیں، مؤثر انداز میں متحد ہوں، ٹھوس بنیادوں پر آگے بڑھیں کہ جن کی بدولت ثمرات سامنے آئیں اور اہداف پورے ہو سکیں۔
﴿ وَقُلِ اعْمَلُوا فَسَيَرَى اللَّهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهُ وَالْمُؤْمِنُونَ﴾ (سورۃ التوبہ:105)
”تم اقدامات کرو؛ تمہاری پیش قدمی کو اللہ، اللہ کا رسول اور مومنین عنقریب ملاحظہ کر لیں گے۔“

کسی بھی اقدام کے لیے گہری بصیرت اور کامل حکمت کا ہونا از بس ضروری ہے کہ انہی دونوں کی بدولت امت اسلامیہ متنوع چیلنجز کا مقابلہ ہر صورت میں کر سکتی ہے۔ اس کے لیے آپس میں تعاون، مدد اور شانہ بشانہ چلیں نہ کہ گالم گلوچ، ایک دوسرے کے خلاف محاذ آرائی کھول لیں۔ اس طریقے پر عمل کریں تو ظالم کو ظلم سے روکا جا سکتا ہے اور امت اسلامیہ کو فتح اور کامیابی حاصل ہو گی۔

نیز امت کو درپیش مسائل کے لیے گہری نظر و فکر کی ضرورت ہے کہ جن کی بدولت جذباتی بھنور کی بجائے ٹھوس عملی اقدامات سامنے آئیں، متوازن اور بہتر طریقہ کار اپنا کر مخلص کاوشوں کو یکجا کریں، اپنائے گئے ٹھوس موقفوں کو مضبوط طریقے سے مربوط بنائیں، دین اسلام کی تعلیمات کی روشنی میں سید الانبیاء والمرسلین کی شریعت کے سائے تلے اقدامات کریں جو کہ پوری دنیا کو امن و سلامتی، خوشحالی اور امان کی جانب گامزن کر سکتی ہے۔

یہ بھی ضروری امر ہے کہ امت کی جانب سے مسائل کے حل کے لیے کی جانے والی تمام تر کاوشیں ناقابل تردید دلائل اور ناطقہ بند کر دینے والے اسلوب میں ہونی چاہییں، لڑائی جھگڑے والا انداز نہ ہو، کسی خاص قوم، یا خاص تنظیم اور گروہ، یا علاقائی ایجنڈوں کا ان میں کوئی عمل دخل نہ ہو؛ کیونکہ ایسے تمام اقدامات سے امت کو ہمیشہ نقصان ہی ہوا ہے
﴿فَتَقَطَّعُوا أَمْرَهُم بَيْنَهُمْ زُبُرًا ۖ كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ﴾(سورۃ المؤمنون : 53)
”پھر وہ اپنے معاملے میں کئی گروہ ہو کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ ہر گروہ کے لوگ اسی پر خوش ہیں جو ان کے پاس ہے۔“

نیز اللہ تعالی کے اس فرمان کی تعمیل بھی ضروری ہے:
﴿ إِنَّ هَٰذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُونِ﴾ (سورۃ الانبیاء : 92)
”یقیناً یہ تمہاری امت حقیقت میں ایک ہی امت ہے اور میں تمہارا رب ہوں پس تم میری عبادت کرو۔“

اللہ تعالیٰ میرے اور آپ سب کے لیے قرآن و سنت کو بابرکت بنائے، میں اسی پر اکتفا کرتا ہوں، اور اپنے سمیت تمام مسلمانوں کے لیے گناہوں کی بخشش اللہ تعالی سے مانگتا ہوں، آپ بھی اسی سے بخشش مانگیں، وہی بخشنے والا اور نہایت رحم کرنے والا ہے۔

دوسرا خطبہ

میں اللہ تعالی کی پاکیزہ اور بابرکت الفاظ میں ڈھیروں حمد بیان کرتا ہوں، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں، وہ یکتا ہے اس کا کوئی شریک نہیں، اور میں یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ ہمارے نبی محمد اُس کے بندے اور رسول ہیں۔ یا اللہ! ان پر ان کی آل، ان کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر رحمتیں، سلامتی اور برکتیں نازل فرما۔

حمد و صلاۃ کے بعد:

عدل و انصاف کرنے والے مسلمانو!

مملکت حرمین کے حکمران اور عوام سب کا ہر اسلامی اور عربی مسئلے کے حوالے سے ایک اعلی کردار اور واضح موقف رہا ہے، زمینی حقائق اس بات کے اولین گواہ ہیں، ان مسائل میں فلسطین کا معاملہ خصوصی اہمیت کا حامل ہے۔ اس لیے اس ملک اور یہاں کی قیادت کا مسئلہ فلسطین کے بارے میں ٹھوس، واضح اور غیر متزلزل موقف ہے، اس میں کسی بھی قسم کی لچک نہیں آسکتی، مملکت حرمین کے ہاں مسئلہ فلسطین کو تمام تر صورتوں میں ترجیح حاصل ہے؛ خصوصاً متوقع اقتصادی اور سیاسی حوالے سے۔

خادم حرمین شریفین شاہ سلمان حفظہ اللہ کے عہد میں انصاف پسند پوری دنیا نے دیکھا کہ انہوں نے اس مسئلے کی حمایت کے تسلسل کو آگے بڑھاتے ہوئے اسے خصوصی اہمیت دی کہ یہ عرب کا معاملہ ہونے سے پہلے تمام مسلمانوں کا مسئلہ ہے، درحقیقت یہ موقف اس ملک کی ذمہ داری بھی ہے اور اس مسئلے میں اللہ کے سامنے جواب دہ بھی ہے، نیز یہ موقف اسلامی پیغام اور عالمی اہمیت کی وجہ سے اس ملک کا اعزاز ہے۔

اس لیے کسی بھی متکبر کے لیے اس ملک کی کاوشوں پر نکتہ چینی کی گنجائش نہیں ہے۔ نہ ہی ہمارے اپنے کسی ہٹ دھرم، خبطی اور شکوک و شبہات میں پڑے

شخص کے لیے کوئی گنجائش باقی ہے کہ وہ ملکی سطح پر اٹھائے جانے والے اقدامات پر قدغن لگائے۔ ان کی ذمہ داری تو یہ بنتی ہے کہ اللہ سے ڈریں اور یہ بات ذہن نشین کر لیں کہ مملکت حرمین شریفین یا دیگر کسی بھی ملک کے خلاف اٹھنے والی مخبوط الحواس تحریکیں در اصل اسلام کے مرکز اور اسلام کے حقیقی محافظین کے خلاف ہیں، یہ بات بھی سمجھ لیں کہ ان تحریکوں کے ذریعے در حقیقت وہ اپنے آپ کو ہی دھوکا دے رہے ہیں اور امت کی جڑیں کاٹ رہے ہیں، فرمانِ باری تعالی ہے:

﴿يُخَادِعُونَ اللّٰهَ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَمَا يَخْدَعُونَ إِلَّا أَنفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ﴾(سورة البقرة : 9)

"وہ اللہ اور ایمان لانے والوں کو دھوکا دینا چاہتے ہیں؛ حالانکہ وہ صرف اپنے آپ کو ہی دھوکا دے رہیں اور انہیں اس بات کا شعور ہی نہیں ہے۔"

یہ بات بھی ذہن نشین کر لیں کہ اس ملک کے منہج کا محور اسلام ہے جو کسی کی تعریف یا مذمت سے متزلزل نہیں ہوتا، یا کسی حاسد اور موقع تلاش کرنے والوں سے متاثر نہیں ہوتا، اور اللہ تعالی ہر ایک کے ارادوں سے باخبر ہے اور وہی راہِ راست کی جانب رہنمائی کرنے والا ہے۔

اللہ تعالی نے ہمیں نبی کریم ﷺ پر کثرت سے درود و سلام بھیجنے کا حکم دیا ہے، یا اللہ! ہمارے نبی اور حبیب محمد ﷺ پر رحمتیں، برکتیں اور سلامتی نازل فرما۔

یا اللہ! خلفائے راشدین، اہل بیت، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور قیامت تک ان کے نقش قدم پر چلنے والوں سے راضی ہو جا۔

یا اللہ! اسلام اور مسلمانوں کو غلبہ عطا فرما، یا اللہ! اسلام اور مسلمانوں کو غلبہ عطا فرما، یا اللہ! مسلمانوں کے دشمنوں پر اپنی پکڑ نازل فرما۔

یا اللہ! مسلمانوں کے دشمن تجھے عاجز نہیں کر سکتے ان پر اپنی پکڑ نازل فرما۔

یا اللہ! جو بھی مسلمانوں کے بارے میں یا مسلمانوں کے مقدس مقامات کے متعلق برے ارادے رکھے تو اسے اپنی جان کے لالے پڑ جائیں، یا اللہ! اسے سارے جہان کے لیے عبرت بنا دے۔

یا اللہ! اسے سارے جہان کے لیے عبرت بنا دے۔

یا اللہ! جو بھی مسلمانوں کے بارے میں یا مسلمانوں کے مقدس مقامات کے متعلق برے ارادے رکھے تو اس پر اپنی پکڑ نازل فرما، یا اللہ! اسے ایسے پکڑ جیسے غالب اور طاقتور دبوچ لیتا ہے۔

یا اللہ! مسجد اقصی کو یہودیوں کے پنجوں سے آزاد فرما، یا حیی! یا قیوم! یا اللہ! پوری دنیا میں مسلمانوں کی مدد فرما، یا اللہ! پوری دنیا میں مسلمانوں کی مدد فرما، یا اللہ! پوری دنیا میں مسلمانوں کی مدد فرما۔

یا اللہ! یا حیی! یا قیوم! ہمیں تیری طرف کامل صورت میں رجوع کرنے والا بنا۔

یا اللہ! یا حیی! یا قیوم! سب مسلمانوں کو تیری طرف کامل صورت میں رجوع کرنے والا بنا۔

یا اللہ! تمام مسلمانوں کو صرف انہی کاموں کی توفیق دے جنہیں تو پسند فرماتا ہے۔

یا اللہ! انہیں صرف انہی کاموں کی توفیق دے جنہیں تو پسند فرماتا ہے، جن کے ذریعے غلبہ اسلام ممکن ہو، تیرے نیک بندوں کے لیے جو مدد و معاون ہوں، یا حیی! یا قیوم!

یا اللہ! ہمارے حکمران اور ولی عہد کو تیرے پسندیدہ کام کرنے کی توفیق عطا فرما، یارب العالمین!

یا اللہ! تمام مسلمان مرد و خواتین اور تمام مومن مرد و خواتین کی مغفرت فرما، زندہ اور فوت شدگان سب کی مغفرت فرما۔

یا اللہ! پوری دنیا میں مسلمانوں کی حفاظت فرما، یا اللہ! پوری دنیا میں مسلمانوں کی حفاظت فرما، یا اللہ! ان کی مشکلات آسان فرما۔

یا اللہ! ان کی پریشانیاں ختم فرما، یا اللہ! ان کی مشکلات آسان فرما، یا اللہ! ان کی پریشانیاں ختم فرما۔

یا حیی! یا قیوم! یا اللہ! ان کے لیے ہر پریشانی کو آسانی کا باعث بنا دے۔ یا اللہ! تو غنی ہے، ہم فقیر ہیں، یا اللہ! ہمیں بارش عطا فرما، یا اللہ! ہمیں بارش عطا فرما، یا اللہ! ہمیں بارش عطا فرما۔ یا اللہ! ہم پہ بارش برسا اور اسلامی ممالک میں بارشیں فرما، یا اللہ! ہمارے اور تمام مسلمانوں کے ممالک میں بارشیں فرما، یا اللہ! ہمارے اور تمام مسلمانوں کے ممالک میں بارشیں فرما۔ اللہ کے بندو! اللہ کے بندو! اللہ کا ڈھیروں ذکر کرو، اور صبح و شام بھی اسی کی تسبیح بیان کرو۔

☆☆☆

متکبر لوگ عقل و فہم سے عاری

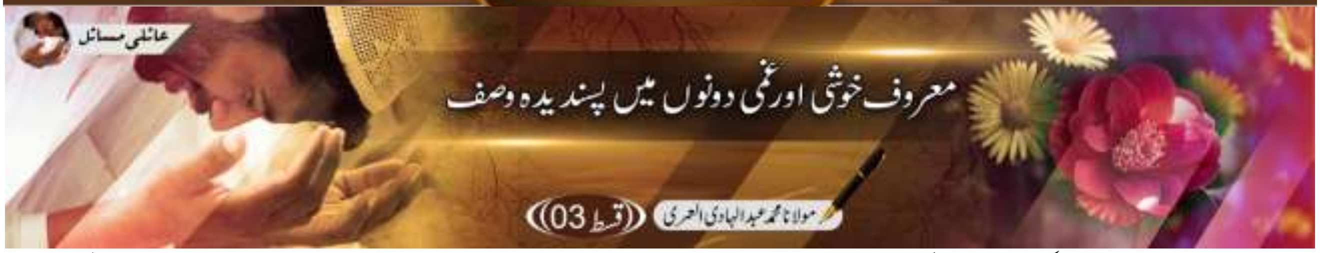
شیخ عبد العزیز الطریفی فرماتے ہیں کہ

المتكبرون أقل الناس فهما لأن قلوبهم مليئة بالوهم، وإذا جاءهم الحق فاض، قال الله:

﴿سَأَصْرِفُ عَنْ آيَاتِيَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ﴾ ... وأكثر الناس فهما المتواضعون.

"متکبر لوگ عقل و فہم میں سب سے کم تر ہوتے ہیں کیوں کہ ان کے قلوب و اذہان ظن و وہم سے بھرے ہوتے ہیں؛ اسی لیے جب حق ان کے پاس آتا ہے تو باہر چھلک جاتا ہے؛ اللہ عزوجل کا فرمان ہے: " میں عن قریب ان لوگوں کو اپنی آیتوں سے پھیر دوں گا جو زمین میں ناحق غرور کرتے ہیں۔" اس کے بر خلاف تواضع کرنے والے لوگوں میں سب سے بڑھ کر فہم رسا کے حامل ہوتے ہیں! "

☆☆☆



اسلام میں معروف کے ساتھ زندگی بسر کرنے کا حکم دیا گیا، ازدواجی تعلقات کے استحکام کے لیے شوہر اور بیوی کو آداب زندگی سے آگاہ کرواتے ہوئے تاکید کی گئی کہ احکام الٰہی کو مذاق میں نہ ٹالو اور نہ ہلکا لو، شادی ایک مقدس بندھن ہے، اس کو پائیدار بنانے کی تلقین کی گئی۔

ان ساری ہدایات کے باوجود انسانی طبیعت میں جو کمزوریاں پائی جاتی ہیں ان کے پیش نظر آپس میں اختلافات، میاں بیوی کے درمیان ناراضگی کے امکانات بھی ہیں، صلحاء امت اور نیکوکار بندوں کی ازدواجی زندگیوں میں بھی ناچاقی، علیحدگی اور طلاق کے واقعات پیش آچکے ہیں، اگرچیکہ ان کا تناسب کم ہے لیکن ان بزرگوں کی زندگیوں میں ان واقعات کی موجودگی چاہے وہ کم ہی ہوں یہ بتا رہے ہے کہ بہرحال خیر القرون کے عہد زرین میں بھی یہ حالات پیش آچکے ہیں، جن کی زندگیاں قرآنی تعلیمات سے منور تھیں، اسی لیے کتب احادیث وفقہ میں طلاق کے مسائل مذکور ہیں، سورۃ البقرہ کی کئی آیات اس مسئلہ سے متعلق ہیں اور پوری ایک سورت 'الطلاق' اسی نام سے موسوم ہے۔ قرآن حکیم میں ہے کہ زندگی معروف کے ساتھ بسر کرو، تاہم ایسے حالات اگر پیدا ہو جائیں کہ علیحدگی اور تفریق کے بغیر چارہ نہیں تو جدائی کی راہیں بھی معروف کے ذریعہ اپنائی جائیں۔ غور کیجیے کہ شوہر اور بیوی کے درمیان علیحدگی اور نکاح کے بندھن کو طلاق کے ذریعہ ختم کرتے ہوئے بھی معروف کے تقاضوں پر عمل پیراہ ہونے کی تلقین کی جارہی ہے۔ حالانکہ اس صورت میں اکثر اوقات شدید ناراضگی، تلخیاں اور غم وغصہ پایا جاتا ہے۔ اس نازک موقع پر نفس کو قابو میں رکھتے ہوئے معروف رویہ اپنانے کا حکم دیا جارہا ہے:

﴿فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ﴾ (سورۃ البقرہ:229)

"رکھنا ہو تو معروف کے ساتھ بھلے انداز سے ورنہ عمدگی کے ساتھ آزاد کردو۔"

شادی کا بندھن توڑ کر عورت کو رخصت کرتے ہوئے بھی حسن سلوک اور اخلاق کریمانہ کی تلقین بہت ہی غور طلب ہے، غیض وغضب کی تلاطم خیز موجوں میں حدود اللہ کو یاد رکھنے کی تاکید کرتے ہوئے سرکشی سے سخت منع کیا جارہا ہے، ان حالات میں نفس کا بے قابو ہونا ممکن ہے۔ آیت مذکورہ تسریح باحسان میں ایک نکتہ یہ بھی بیان کیا گیا کہ گھر چھوڑ کر جانے والی خاتون کے ساتھ حسن سلوک کا مظاہرہ کرتے ہوئے ازراہِ کرم کچھ نوازا جائے، چاہے وہ کپڑوں کی شکل میں ہو یا کسی اور انداز میں ہنسی خوشی گھر میں رہتے ہوئے بھی ان باتوں پر عمل کرنا بعض جوڑوں کے لیے مشکل دکھائی دیتا ہے، یہاں تو طلاق کے بعد یہ تلقین کی جارہی ہے، نیز دورانِ عدت اس مطلقہ کے اخراجات کی ذمہ داری بدستور شوہر ہی پر عائد کی گئی۔ حالانکہ رشتہ ٹوٹ چکا، گھرانہ اجڑ گیا، لیکن حسن سلوک اور اخلاق کریمانہ سے دوری یہاں بھی گوارہ نہیں، عدت کے دوران بھی اس خاتون کی دست گیری کی تاکید کی گئی، مقام شکر ہے کہ اللہ نے ہمیں ایسے دین سے سرفراز فرمایا کہ اس میں خواتین کی ہر سطح اور موڑ پر خبر گیری کی ذمہ داری مردوں کے ذمہ ڈالی گئی۔

﴿وَلِلْمُطَلَّقَاتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ﴾ "طلاق شدہ عورتوں کو کچھ نواز دو عمدگی کے ساتھ یہ پرہیز گاروں کے لیے ضروری ہے۔" (سورۃ البقرہ:241)

ناگزیر حالات میں طلاق دینے کی ضرورت پیش آئے تو طلاق کے لیے بھی مفصل طریقہ بتایا گیا۔ یہ نہیں کہ میاں بیوی کے درمیان ناراضگی ہوگئی اور یکبارگی طلاق کے ذریعہ فیصلہ سنا دیا جائے۔ یہ منکر ہے۔ یہاں طلاق سے پہلے کچھ اصول بتائے گئے جن کی حیثیت ابتدائی علاج جیسی ہے۔ اگر ابتدائی علاج کا مرحلہ ناکام ہو تو پھر معروف کے ساتھ طلاق کا راستہ دکھایا گیا۔

﴿وَاللَّاتِي تَخَافُونَ نُشُوزَهُنَّ فَعِظُوهُنَّ وَاهْجُرُوهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ﴾ (سورۃ النساء: 34)

جن عورتوں کی نافرمانی کا تمہیں خوف ہو انہیں نصیحت کرو اور بستروں پر الگ چھوڑ دو، انہیں سزا دو اگر وہ اطاعت کریں تو ان کے خلاف زیادتی نہ کرو۔ اگر وہ صلح کرنا چاہیں تو اللہ ملاپ کرا دے گا، بے شک اللہ تعالیٰ علم اور خبر والا ہے۔

ازدواجی زندگی کی شکر رنجیوں کو معروف کے ساتھ دور کرنے کے لیے آیت مذکورہ میں پہلا مرحلہ یہ بتایا گیا ہے کہ باہمی مفاہمت سے کام لیتے ہوئے وعظ ونصیحت سے مسئلہ حل کرنے کی کوشش کی جائے یعنی شوہر اور بیوی ایک دوسرے کا موقف سمجھنے اور آپس میں اصلاح کرنے کی کوشش کریں۔ رنجشوں پر بروقت گرفت کرلی جائے تو علاج آسان ہے ورنہ دوسرا مرحلہ یہ ہے کہ دونوں ایک ہی کمرہ میں رہتے ہوئے ازدواجی تعلقات کے بغیر چند دن گذاریں، ایک ہی کمرہ میں رہتے ہوئے آپسی تعلقات کے بغیر کچھ دن گزارنے کی یہ کیفیت دونوں کے لیے صبر آزما ہوگی اور دوسری طرف گھر میں رہنے والے دیگر افراد کو بھی اس کا علم نہیں ہوسکے گا کیونکہ میاں بیوی کا رشتہ پُروقار اور باعث احترام ہے، لہٰذا آخری حد تک یہ احترام باقی رہنا چاہیے، لیکن پھر بھی بات نہ بن سکے تو اس تیسرے مرحلہ میں ہلکی پھلکی سرزنش کی اجازت دی گئی تاکہ طلاق اور جدائی کے خطرناک نتائج سے بچا جاسکے۔ گویا سزا میں رحمت ورافت کا ہی پہلو ہے۔ اس ہلکی سزا کی اجازت بھی اس لیے ہے کہ

بڑے نقصان اور بھیانک تباہی سے بچا جا سکے اور عورت جذبات میں طلاق کا مطالبہ یا اصرار نہ کرے۔

اگر یہ مرحلہ بھی ناکام ہو جائے تو چوتھے مرحلہ میں خاندان کے خیر خواہوں سے مشورہ کرنے اور انہیں درمیان میں لانے کا حکم دیا گیا۔(سورۃ النساء:35)

خاندان میں عموماً ایسے کچھ صاحب بصیرت ہوتے ہیں جن کی رائے اور مشورہ کو افرادِ خاندان اہمیت دیتے ہیں۔ وہ فریقین سے گفتگو کر کے حسب ضرورت مفید مشوروں سے نوازیں گے تا کہ گھرانہ ٹوٹنے سے بچ سکے۔ اگر ان بزرگوں کا مشورہ کارگر نہ ہو رہا ہو تو پھر اس کا مطلب یہ ہو گا کہ باہمی نزاع شدید ہے، آپس میں مسئلہ حل نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا اب طلاق کے ذریعہ راہیں جدا کر لی جائیں، اگر طلاق سے قبل مذکورہ ہدایات پر عمل کیا جائے تو بہت سے مسائل پر قابو پایا جا سکتا ہے۔

یہ نہیں کہ کسی بات پر ناراضگی ہو اور جذبات میں طلاق طلاق طلاق کی گولیاں داغ دی جائیں۔ یہ منکر ہے، اس منکر کے سنگین نتائج میاں بیوی کے علاوہ دونوں خاندانوں کے مختلف افراد کو بھگتنا ہوتا ہے۔ جذبات سرد ہونے پر دونوں کو مختلف مولوی، مفتی اور مراکز کارخ کر کے فریادرسی کے لیے دستک دینی پڑتی ہے۔ ایک طرف گھر کے ذمہ دار پریشان، دوسری طرف خود اپنی اولاد بے بسی اور لاچاری کی کیفیت سے دوچار غور کیجیے۔

ایک فعل منکر کتنے منکرات کا سبب بنتا ہے، حتیٰ کہ طلاق کے مسئلہ میں بے احتیاطی کے سبب بے بس اور لاچار خاتون بعض اوقات حلالہ کی مذموم بھینٹ چڑھائی جاتی ہے جس کے تصور ہی سے بدن پر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، جو بے غیرتی کی بدترین مثال ہے۔ جس کے مرتکب پر شریعت اسلامیہ میں لعنت بھیجی گئی، اکثر اوقات مرد کی جانب سے ہونے والی غلطی کا خمیازہ عورت کو بھگتنا پڑتا ہے۔ یہ ایسا منکر ہے جس کی قباحت سے متعلق متعدد مضامین، افسانے، کہانیاں لکھی گئیں، اس کے سبب نام نہاد مولویوں کی قبائے مقدس تارتار ہوئی اور ناقدین کو اسلامی تعلیمات کے خلاف ہرزہ سرائی کا موقع ملا، حالانکہ اسلام کی پاکیزہ تعلیمات میں اس کو فعل شنیع قرار دے کر اس کی مرتکب پر لعنت بھیجی گئی۔

« لَعَنَ اللّٰهُ الْمُحَلِّلَ وَالْمُحَلَّلَ لَهُ.»

(سنن ابوداؤد:2076؛ سنن ابن ماجہ:1936)

اس کا مرتکب کرایہ کے سانڈ جیسا ہے۔

التیس المستعار، صرف ناگزیر حالات میں طلاق کو جائز رکھا گیا۔ ورنہ یہ وہ فعل ہے جس سے شیطان زیادہ خوش ہوتا ہے۔ میاں بیوی کے درمیان تفریق پیدا کرنے والے کی شیطان حوصلہ افزائی کرتا ہے اور اسے اپنے قریب جگہ دیتا ہے۔

صحیح مسلم کی تفصیلی حدیث ہے کہ کیسے ابلیس اسے شاباشی دیتا ہے کہ تم نے کیا ہی زبردست کام کیا۔

مَا تَرَكْتُهُ حَتَّى فَرَّقْتُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ امْرَأَتِهِ قَالَ فَيُدْنِيهِ مِنْهُ وَيَقُولُ نِعْمَ أَنْتَ(صحیح مسلم: 2813)

طلاق سخت حالات میں جائز رکھی گئی اگرچیکہ یہ ناپسندیدہ ہے۔

«أَبْغَضُ الْحَلَالِ إِلَى اللهِ تَعَالَى الطَّلَاقُ»

(سنن ابوداؤد:2178؛ سنن ابن ماجہ:2018)

بعض افعال آدمی کے لیے مرغوب نہیں ہوتے، ان کی ضرورت پیش آتی ہے، جیسے انسانی جسم کا ناکارہ عضو آپریشن کے ذریعہ کاٹ کر بدن سے الگ کر دیا جاتا ہے۔ اگرچیکہ بدن کا حصہ کاٹنا پسندیدہ نہیں لیکن اس کی خرابی سے دیگر اعضاء کو محفوظ رکھنے کے لیے بسا اوقات یہ عمل ضروری ہوتا ہے۔ اسی طرح طلاق کا مسئلہ ہے یہ محبوب عمل نہین، شریعت میں ناگزیر حالات میں اس کی گنجائش رکھی گئی۔ اس سے پہلے دونوں کو صبر اور ضبط نفس کی تلقین کی گئی، دونوں کی نگاہیں ایک دوسرے کی مثبت صفات پر ہوں، کمزوریوں کو اللہ تعالیٰ دور فرما دے گا، ورنہ نظریں عیوب پر ٹکی ہوں گی، تو مثبت صفات سے بھی فائدہ نہیں اٹھایا جا سکے گا۔

«لَا يَفْرَكْ مُؤْمِنٌ مُؤْمِنَةً، إِنْ كَرِهَ مِنْهَا خُلُقًا رَضِيَ مِنْهَا آخَرَ» (صحیح مسلم:1469)

شوہر بیوی کے رشتہ کو بگاڑنے یا بگاڑ کا سبب بننے والوں اور مداخلت بے جا کے مرتکبین کو سخت ناپسند کیا گیا۔

«لَيْسَ مِنَّا مَنْ خَبَّبَ امْرَأَةً عَلَى زَوْجِهَا، أَوْ عَبْدًا عَلَى سَيِّدِهِ» (سنن ابوداؤد:2175)

بغیر شرعی سبب کے طلاق کے مطالبہ پر نکیر کی گئی، یہ عصیان کی بدترین مثال ہے کہ معقول سبب کے بغیر طلاق کا مطالبہ کیا جائے یا حوصلہ افزائی کی جائے، یہ عمل منکر ہے، ایسے لوگ جنت کی خوشبو تک نہ پا سکیں گے۔

أَيُّمَا امْرَأَةٍ سَأَلَتْ زَوْجَهَا طَلَاقًا، فِي غَيْرِ مَا بَأْسٍ, فَحَرَامٌ عَلَيْهَا رَائِحَةُ الْجَنَّةِ

(سنن ابوداؤد:2226؛ جامع ترمذی: 1187)

لہٰذا گھر کے بڑوں کو چاہیے کہ خود شعور سے کام لیں، مداخلت بے جا سے پرہیز کریں۔ بہو گھر آئی ہے تو وہ آپ کے بیٹے کی بیوی ہے، دونوں کے جذبات کا خیال رکھا جائے، گھر کے دیگر افراد اپنی بے جا توقعات اور ضابطے ان پر مسلط نہ کریں، دوسری طرف ماؤں کو چاہیے کہ شادی کے بعد بیاہی گئی بیٹیوں کو ضروری نصیحت اور مفید مشوروں سے نوازیں لیکن اعتدال کی حد میں رہتے ہوئے، موبائل فون جہاں ایک نعمت ہے اس کا غلط استعمال باعث مصیبت بھی ہو سکتا ہے، ہر بات میں مداخلت اور بے جا مشورے تباہی کا سبب بھی بن سکتے ہیں، بعض معلومات سوشل میڈیا سے لی جاتی ہیں۔ فرضی باتیں اور من گھڑت کہانیاں حقیقی دنیا سے بڑی مختلف ہوتی ہیں، بعض ملاقاتیں بھی بگاڑ کا سبب بنتی ہیں، خصوصاً مشترکہ فیملیز میں اس کے خدشات زیادہ ہوتے ہیں۔

میاں بیوی کو اپنے مسائل دیگر افراد سے حل کروانے کے بجائے خود حالات اور حقائق پر نظر رکھتے ہوئے حل کرنا چاہیے۔ ہر چھوٹی بات ماں تک پہنچانا پھر وہاں سے ہدایات لینا مصلحت کے خلاف ہے، آج کل اس کی ایک شکل موبائل فون کا غلط استعمال بھی ہے، بے جا گفتگو کے طویل دورانیہ میں عموماً یہ ہوتا ہے۔

باہمی اختلافات کی صورت میں بعض لوگ انتقام کی آگ میں جھلستے ہوئے اپنی بیویوں سے علیحدگی اختیار کر لیتے ہیں، نہ طلاق دے کر فارغ کرتے ہیں اور نہ ہی ساتھ رہنے پر آمادہ، معلقہ بنا کر اس کی زندگی اجیرن

کر دیتے ہیں کئی کئی سال انتقام کی آگ میں گزر جاتے ہیں، یہ حدود اللہ سے تجاوز اور منکر اسلوب ہے۔
شریعت میں علیحدگی کے آداب بھی بتائے گئے، یہ بہت ہی عارضی علاج اور کم مدت کے لیے ہے، چند ہفتوں اور مہینوں کی علیحدگی کے بعد فیصلہ کرلینا چاہیے، صلح کرنا ہے یا طلاق دے کر فارغ کرنا ہے۔

معروف کے ساتھ طلاق دینے کا طریقہ

اگر ابتدائی مراحل میں ناکامی ہو جائے اور طلاق کے بغیر کوئی چارہ نہ ہو تو بیوی جب ماہواری سے پاک ہو، اس کے ساتھ تعلقات قائم کیے بغیر دو گواہوں کی موجودگی میں ایک طلاق دی جائے۔ دوران عدت اگر مصالحت ہو جائے تو رجوع کر کے اکٹھے رہ سکتے ہیں ورنہ عدت گزارنے کے بعد دونوں آزاد ہو جائیں گے، عورت چاہے تو کسی بھی شخص کے ساتھ شادی کر سکتی ہے، لیکن اپنے سابق شوہر ہی کے ساتھ مصالحت کے امکانات قوی ہوں تو نکاح جدید کے ذریعہ یہ بھی ممکن ہے۔ نہ دوسری طلاق کی ضرورت ہے اور نہ ہی تیسری طلاق کی۔
دوسری طلاق کی ضرورت اس وقت پیش آسکتی ہے جب پہلی طلاق کے بعد عدت کے اندر اندر رجوع کر لیا گیا، پھر حالات کشیدہ ہو گئے اور دوبارہ طلاق کی ضرورت ہو، تب دوسری طلاق دی جائے گی۔

منکر اسلوب سے دی جانے والی غیر شرعی طلاقیں

اسلامی مراکز اور علماء کرام سے رابطہ کر کے طلاق کی جو تفصیلات عام طور پر بیان کی جاتی ہیں وہ درج ذیل ہیں:

غصہ کی حالت میں طلاق

ہمارا میاں بیوی کا جھگڑا ہوا اور میں نے غصہ میں طلاق کے الفاظ زبان سے کہہ دیے، اس کا شرعی حکم کیا ہے۔ مسئلہ کے طور پر بات یہ ہے کہ آدمی اگر اتنے ہوش و حواس میں ہو کہ اسے زبان سے کہے جانے والے الفاظ یاد ہوں اور وہ سمجھ رہا ہو کہ میں کیا کہہ رہا ہوں تو وہ طلاق شمار ہو گی۔ ہاں اگر کوئی کسی دماغی مرض میں مبتلا ہو، ڈپریشن وغیرہ۔ اسے اپنی زبان یا حرکات پر کنٹرول نہیں رہتا، اس صورت میں طلاق واقع نہیں ہو گی لیکن ایسے مریض سے صرف طلاق ہی نہیں دیگر معاملات میں بھی بے جا تصرفات سرزد ہوتے ہیں، بلکہ بعض اوقات ایسا مریض مارنے مرنے پر بھی اتر آتا ہے۔ عام غصہ اور ناراضگی کی حالت کو اس پر قیاس نہیں کیا جا سکتا، لہٰذا ایسی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔

دل لگی اور مذاق میں دی جانے والی طلاق

بعض ایسے عاقبت نااندیش لوگ بھی ہیں جو طلاق جیسے سنجیدہ مسئلہ میں بھی غیر سنجیدگی کا مظاہرہ کرتے ہیں، شرعی طور پر ایسی طلاق واقع ہو جائے گی۔ یہ عذر اسلامی عدالت میں قابل قبول نہیں کہ اس وقت مذاق کے موڈ میں تھا۔ اگر کسی نے طلاق کے صریح الفاظ اپنی بیوی سے کہہ دیئے تو طلاق شمار ہو گی۔
رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
ثَلَاثٌ جَدُّهُنَّ جَدٌّ، وَهَزْلُهُنَّ جَدٌّ: النِّكَاحُ، وَالطَّلَاقُ، وَالرَّجْعَةُ. (سنن ابو داؤد: 2194؛ جامع ترمذی: 1184)
”تین باتوں میں کھیل کود یا دل لگی نہیں، اس کا اثر ہو جائے گا، ان میں سے ایک طلاق ہے۔“

حالت نشہ میں طلاق

آج کل ایک خطرناک بیماری جو بہت تیزی سے نوجوانوں میں سرایت کر رہی ہے، وہ نشہ کی قبیح عادت ہے۔ شراب اور ڈرگس وغیرہ کی وجہ سے طلاق کے واقعات میں حیرتناک اضافہ ہو رہا ہے، اس حالت میں لڑائی، جھگڑا اور طلاق عام ہے۔ ایسے لوگ نشہ اترنے کے بعد تلاش فتویٰ میں مارے مارے پھرتے ہیں۔
اگر نشہ کا اثر اتنا ہو کہ آدمی کے ہوش و حواس ہی ختم ہو گئے ہوں، وہ نہ راستہ چل سکتا ہے، نہ لوگوں کی شناخت اور نہ ہی مناسب انداز میں گفتگو، اس حالت میں کہی جانے والی طلاق لغو متصور ہو گی، شمار نہیں ہو گی لیکن اگر کوئی نشہ کرنے کے باوجود اس کے ہوش و حواس ایک حد تک قابو میں ہوں، جیسے وہ خود اپنی گاڑی چلا رہا ہے، گھر تک خود ڈرائیو کر کے آ رہا ہے، لوگوں کی شناخت کر رہا ہے تو اس وقت دی جانے والی طلاق واقع ہو جائے گی، اس صورت میں نشہ کرنے کا بہانہ قابل قبول نہیں۔

زبردستی کی طلاق

اگر کسی کو بندوق کی نوک یا خنجر کی دھار پر مجبور کر کے طلاق لی جائے، ورنہ خطرہ ہے کہ حملہ کر کے اس کا کام تمام کیا جا سکتا ہے، ایسی حالت میں وہ اگر طلاق کہہ بھی دے اس کا اثر نہیں ہو گا، نہ ہی وہ طلاق واقع ہو گی کیونکہ اس وقت جان کی حفاظت ضروری ہو گی لیکن کوئی اس کو بطور حیلہ استعمال نہیں کر سکتا کہ احباب خاندان کے دباؤ میں آکر میں نے طلاق دے دی کیونکہ عموماً یہ اخلاقی نوعیت کا دباؤ ہوتا ہے، اسے بخوبی علم ہے کہ طلاق نہ دوں تو مجھے نقصان نہیں پہنچایا جائے گا۔ لہٰذا اہل خاندان کی گزارش پر دی جانے والی طلاق واقع ہو گی۔ یہاں زبردستی کا عذر قابل قبول نہیں۔

نیت کے بغیر دی جانے والی طلاق

ایک عذر یہ ہوتا ہے کہ میری نیت طلاق دینے کی نہیں تھی، کیا بغیر نیت کے طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ جی ہاں، بالکل واقع ہو جاتی ہے۔ اگر شوہر نے صراحت کے ساتھ طلاق کے الفاظ بیوی سے کہہ دیئے تو طلاق واقع ہو جائے گی۔ نیت کے متعلق سوال اس وقت ہو گا جب الفاظ واضح نہ ہوں، یا ایسے الفاظ کہے گئے ہوں جن کے کئی معانی و مطالب ہو سکتے ہیں، ایسی صورت میں اس کی نیت دریافت کی جائے گی۔

طلاق ثلاثہ

ایک عام غلطی اور منکر یہ ہے کہ ایک ہی وقت میں اکٹھی تین طلاقیں دی جائیں، طلاق، طلاق، طلاق یا کوئی کہے بیوی سے تجھ پر تین طلاقیں وغیرہ۔ یہ انداز سخت ناپسندیدہ ہے۔ اسے قرآن مجید اور دین کے ساتھ کھلواڑ کہا گیا، یہ تقویٰ اور متقیانہ روش کے خلاف ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اکٹھی تین طلاقین دینے والے پر شدید برہمی کا اظہار فرمایا:
أُخبِرَ النّبيُّ ﷺ عن رَجُلٍ طلّقَ امرأتَهُ ثلاثَ تَطْليقاتٍ جميعًا، فقامَ مُغضبًا فقال: أيُلعَبُ بكتابِ اللهِ وأنا بيْنَ أظهُرِكُم؟
ایسی طلاق بدعت گمراہی اور منکر کی مثال ہے۔



مسجد اقصیٰ کا محل وقوع

مسجد اقصیٰ شام کے علاقے (یعنی موجودہ فلسطین) میں واقع ہے اور اس کو القدس بھی کہا جاتا ہے، القدس یروشلم کا عربی نام ہے۔ اسلام سے قبل اس کا نام ایک رومی بادشاہ ہیرڈوس نے ایلیا رکھا تھا اور یہ بحر روم سے 52 کلو میٹر، بحر احمر سے 250 کلو میٹر اور بحر مردار سے 22 کلو میٹر کے فاصلہ پر واقع ہے۔ بحر روم سے اس کی اونچائی 750 میٹر اور بحر مردار کی سطح سے اس کی بلندی 1150 میٹر ہے۔ سب سے پہلے یہاں یبوسین آکر آباد ہوئے، ایک روایت ہے کہ اس شہر کو "سام بن نوح" نے آکر آباد کیا۔ سب سے پہلے 1013 قبل مسیح میں سیدنا داؤد علیہ السلام نے اس کو فتح کیا۔ (خطط الشام ج:5،ص:252، القدس دراسة وتاریخیة)

مسجد اقصیٰ کی تاریخی حیثیت

ایک قول ہے کہ زمین پر پہلی مسجد، مسجدِ اقصیٰ ہے، لیکن یہ بات درست نہیں کیونکہ قرآن مجید کی روشنی میں اس زمین پر اللہ کی عبادت کے لیے جو سب سے پہلا گھر و مسجد بنائی گئی وہ مسجد بیت الحرام ہے، جس کو فرشتوں نے تعمیر کیا ہے: جیسا کہ صحیح بخاری میں بھی سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، جس میں یہ صراحت ہے کہ مسجد بیت الحرام کی تعمیر اور مسجد اقصیٰ کی تعمیر میں چالیس سال کا عرصہ ہے اور ایک روایت میں ہے کہ مسجد بیت الحرام کو ابن آدم کی پیدائش سے دوہزار سال پہلے فرشتوں نے تعمیر کیا۔

امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان دونوں روایتوں سے یہ بات ثابت ہوئی کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام بیت الحرام کے اور سیدنا سلیمان علیہ السلام مسجدِ اقصیٰ کے مجدّد ہیں، نہ کہ مؤسس اور مسجدِ اقصیٰ کا ذکر قرآن کریم کی اس آیت میں ہے، جس میں معراجِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ ہے۔ (الانس الجلیل بتاریخ القدس والخلیل ص:8-10)

مسجد اقصیٰ کی تعمیر کے ادوار اس بارے میں مختلف روایات ہیں کہ مسجد اقصیٰ کا مؤسّسِ اول کون ہے:

پہلا قول: سب سے پہلے فرشتوں نے تعمیر کی۔

دوسرا قول: سیدنا آدم علیہ السلام نے سب سے پہلے تعمیر کی۔

تیسرا قول: سیدنا سام بن نوح علیہ السلام سب سے پہلے تعمیر کرنے والے ہیں۔

اور چوتھا قول: سیدنا داؤد اور سلیمان علیہما السلام پہلے تعمیر کرنے والے ہیں۔

علامہ احمد بن عبد الواحد المقدسی فرماتے ہیں:

"ان سب روایتوں میں اس طرح تطبیق ہو سکتی ہے کہ سب سے پہلے فرشتوں نے، پھر سیدنا آدم علیہ السلام نے، پھر سیدنا سام بن نوح علیہما السلام نے اور پھر سیدنا داؤد وسلیمان علیہما السلام نے بالترتیب تعمیر کیا ہو۔" (ایضاً)

مسجد اقصیٰ پر آنے والے حوادثات

مسجد اقصیٰ کی تعمیر کے بعد اس پر مختلف قسم کے حوادثات آئے، جس کی وجہ سے دوبارہ اس کی تجدید اور تأسیس کی ضرورت پڑتی رہی، لیکن تاریخ کی کتابوں میں چھ (6) حوادثات کا ذکر ہے، جن میں سر فہرست حوادث:

باہر سے القدس پر حملہ ہونا، مسجد کو دو مرتبہ نقصان پہنچا ہے۔ ان دو واقعوں کا ذکر قرآن پاک کی سورۂ اسراء کے شروع میں ہے۔

پہلا واقعہ جس میں مسجد کی تعمیر کو نقصان پہنچا، وہ سیدنا سلیمان علیہ السلام کی وفات کے 415 برس بعد 588 ق-م میں پیش آیا، جب اہلِ فارس کے بادشاہ بخت نصر نے اس پر حملہ کیا اور پورے شہر کو آگ لگادی، جس میں مسجد کی عمارت منہدم ہوگئی، پھر شاہ ایران کے تعاون سے دوبارہ اس کی تعمیر ہوئی۔

دوسرا واقعہ 63 ق-م میں ہوا، جس میں دوبارہ رومی قابض ہوگئے۔ پھر سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے رفع جسمانی کے چالیس سال بعد 70ء میں طیطلس نامی بادشاہ نے اس شہر کو بالکل تباہ کر دیا، اس میں بھی مسجد کو نقصان پہنچا۔ 135ء میں رومی بادشاہ ہیرڈوس نے اس شہر کو دوبارہ بسایا اور اس کا نام ایلیاء رکھا۔ 614ء میں دوبارہ اہل فارس نے قبضہ کر لیا، لیکن مسجد اقصیٰ 70ء سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے تک ویران رہی۔ (تفسیر حقانی:5/:64-71؛خطط الشام:5/252)

مسجدِ اقصیٰ کا اسلامی دور

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں سیدنا ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ نے 16ھ میں بیت المقدس کا محاصرہ کیا اور ان کے سامنے اپنا پیغام رکھا، نہ ماننے کی صورت میں قتل اور صلح کی صورت میں جزیہ اور خراج کا حکم سنایا، تو وہ ایک شرط پر صلح کے لئے تیار ہوگئے کہ خلیفۂ وقت صلح کے لئے خود تشریف لائیں۔ سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو خط لکھ کر ساری صورتحال سے آگاہ کیا تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ، سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے بیت المقدس جانے پر راضی ہوگئے، یوں 17ھ میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں مسجد اقصیٰ اسلام کے سائے میں آگئی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے مسجد کو صاف کروایا اور وہاں پر مسجد تعمیر کرالی، جس کو مسجد عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ (البدایہ والنہایہ: 12/ 344 تا 348؛ الروضتین فی اخبار الدولتین: 3/206-260)

اسلامی دور میں مسجد اقصیٰ کی تعمیر وترقی

17ھ میں فتح کے کافی عرصہ بعد اموی خلیفہ عبد الملک بن مروان نے 65ھ میں اس کی تعمیر اور مرمت کا آغاز کیا اور ولید بن عبد الملک نے مصر کے سات سال کا خراج اس کی تعمیر کے لئے وقف کر دیا تھا۔ 130ھ اور 158ھ کے زلزلوں میں اس کی عمارت کو نقصان پہنچا تو 169ھ میں مہدی کے دور حکومت میں دوبارہ اس کی تعمیر نو کی گئی۔ 407ھ کے

زلزلے میں قبۃ کی دیوار یں منہدم ہو گئیں تو 413ھ میں ظاہر فاطمی نے اس کی دوبارہ تعمیر کی اور افرنگی بادشاہوں نے مسلمان بادشاہوں کی کمزوریوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے 492ھ میں بیت المقدس پر حملہ کر دیا اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے بر خلاف اس بادشاہ نے مسلمانوں کا قتل عام کیا اور مسجد کی بے حرمتی کی اور مسجد میں گھوڑوں کے لئے اصطبل بنایا، جس کو "اصطبل سلیمان" کہا جاتا تھا اور مال متاع لوٹ لیا تھا۔ 91 سال تک مسجد اقصیٰ ان کے قبضہ میں رہی۔ پھر سلطان نور الدین زنگی کے فتوحات کے سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے ان کے جانشین سلطان الناصر صلاح الدین یوسف بن ایوب نے 553ھ میں دوبارہ قبضہ کر لیا اور مسجد کی صفائی کروا کر اس کی مرمت کی۔ (معجم البلدان:/168؛خطط الشام: 5/252،253)

اس کے بعد مسلمان بادشاہ اس کی مرمت اور تزیین میں حصہ لیتے رہے: 655ھ میں ملک معظم نے، 668ھ میں ظاہر بیبرس نے، 786ھ میں منصور قلادوں نے، 769ھ میں ملک اشرق نے، 789ھ میں ظاہر برثوق اور ظاہر جقمق العلانی نے، 877ھ میں الاشرف ابو النصر نے تجدید کی۔

خلافتِ عثمانیہ کے خلفاء بھی حصہ لیتے رہے، خاص طور پر سلیمان القانونی نے 949ھ میں تجدید کی۔ اس کے بعد عثانی خلفاء نے اس کی طرف خاص توجہ نہ دی، بہر حال پھر بھی 1232ھ،1256ھ،1291ھ اور اس کے بعد بھی تزیین وآرائش کا کام جاری رہا اور موجودہ تعمیر ترک سلاطین کے دور میں سلطان عبد الحمید(1853ء)اور سلطان عبد العزیز (1874ء) کے دور حکومت کی تعمیر کردہ ہے۔(خطط الشام: 5/251،252؛القدس دراسۃ تاریخیۃ)

مسجد اقصیٰ کی مساحت

مسجد اقصیٰ کا اطلاق اس پورے احاطے پر ہوتا ہے، جس کو سیدنا سلیمان علیہ السلام نے تعمیر کیا ہے اور اس پر مسجد اقصیٰ کا اطلاق کیا ہے۔ اس اعتبار سے اور ہر دور میں گز اور میٹر کے اختلاف کی وجہ سے مسجد اقصیٰ کے طول وعرض میں مؤرخین کے مختلف اقوال ہیں:"احسن التقاسیم" اور "مختصر کتاب البلدان" میں ہے کہ مسجد کی لمبائی ایک ہزار گز اور چوڑائی 700 گز ہے۔(احسن التقاسیم: 147)

"معجم البلدان" میں ہے کہ اس کی لمبائی اس کی چوڑائی سے زیادہ ہے۔

ناصر خسرو نے اپنے سفر نامے میں جو 438ھ میں ہوا، اس میں لکھاہے کہ مسجد بیت المقدس کی لمبائی 754 گز اور چوڑائی 455 گز ہے، یہ خراسان وغیرہ کے گز کے حساب سے ہے۔

ابن جبیر نے اپنے سفر نامہ میں جو 578ھ- 581ھ میں ہوا، اس میں لکھا ہے کہ مسجد اقصیٰ کی 780 گز لمبائی اور 450 گز چوڑائی ہے اور حدود حرم کے اندرونی ہال کا طول 600 گز اور عرض 700 گز ہے، نہایت عمدہ اور خوبصورت نقش ونگار کیا ہوا ہے۔

تمام مؤرخین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مسجد اقصیٰ روز اول سے جن حدود پر قائم ہوئی، آج بھی انہیں حدود پر قائم ہے۔ کبھی چار دیواری کے اندر پورے احاطے کو مسجد اقصیٰ کہا جاتا ہے اور کبھی صرف اس خاص حصہ کو مسجد اقصیٰ کہا جاتا ہے۔(القدس دراسۃ تاریخیۃ)

مسجد اقصیٰ کے متعلق فضائل

مسجد اقصیٰ کے فضائل احادیث میں آئے ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : تین مسجدوں کے علاوہ (کسی دوسری جگہ کیلئے) تم اپنے کجاووں کو نہ باندھو (یعنی سفر نہ کرو): مسجد حرام، مسجد رسول(یعنی مسجد نبوی)اور مسجد اقصیٰ۔ " (صحیح بخاری)

ایک روایت میں ہے کہ "جو شخص بیت المقدس میں نماز پڑھے، اللہ تعالیٰ اس کے تمام (صغیرہ) گناہ معاف فرمائیں گے۔" (فضائل بیت المقدس:ص107)

مسجدِ اقصیٰ کی حدود میں دیگر بھی ایسی چیزیں موجود ہیں، جو مسلمانوں کے لئے باعث فخر ہیں، جن میں سے حدود حرم میں واقع قبے، مینارے اور مدرسے ہیں، جنکو مسلمان بادشاہ مختلف ادوار میں تعمیر کرواتے رہے، ان میں سے چند مشہور قبّوں کے نام یہ ہیں: قبۃ المعراج، قبۃ السلسلۃ، قبۃ النحویہ، قبۃ الصخرۃ۔ (خطط الشام: 5/257)

ان سب میں سے زیادہ مقدس قبۃ الصخرۃ ہے، جس کا قدرے تفصیل سے ذکر کیا جاتا ہے۔

قبۃ الصخرۃ!

قبہ گنبد کو اور الصخرۃ چٹان کو کہتے ہیں، یہ قبہ ایک چٹان پر واقع ہے۔ ناصر خسرو نے اپنے سفر نامہ میں اس کے اوصاف بیان کئے ہیں کہ یہ قبۃ الصخرۃ ایک چبوترہ میں واقع ہے اور صخرہ قبہ کے وسط میں ہے اور قبۃ الصخرۃ مثمّن الاضلاع (آٹھ پہلوؤں والا) ہے، آٹھ پہلوؤں میں سے ہر پہلو 33 گز کا ہے اور چاروں طرف دروازے ہیں اور قبہ کا اندرونی احاطہ 53 میٹر ہے، سیڑھیوں سے چڑھ کر اوپر کی طرف پہنچتے ہیں، سیڑھیوں کے اختتام پر دروازے ہیں اور قبہ کا اندرونی حصہ تین حصوں پر مشتمل ہے: پہلے میں چٹان، دوسرے میں ستون اور تیسرا حصہ دروازے کے ساتھ متصل ہے۔

قبہ میں اندر کی طرف ستون کی دو قطاریں ہیں۔ پہلی قطار چٹان کے ارد گرد ہے، اس میں چار بڑے مربّعۃ الاضلاع (چار پہلوؤں والے) اور دو گول چھوٹے ستون ہیں۔ دوسری قطار ذرا فاصلہ پر ہے، اس میں آٹھ بڑے مسدّسۃ الاضلاع (چھ پہلوؤں والے) اور (16) سولہ چھوٹے ستون ہیں اور ان ستونوں پر سونے کا پانی چڑھا ہوا ہے۔

سب سے پہلے اس کی تعمیر خلیفہ عبد الملک بن مروان نے کی ہے یا تاریخ یعقوبی کے مصنف نے یہ ایک بات نقل کی ہے کہ جب خلیفہ عبد الملک بن مروان کا سیدنا عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے اختلاف ہوا تو حجاز پر سیدنا عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا کنٹرول تھا، خلیفہ نے لوگوں کی توجہ حرمین شریفین سے ہٹانے کے لئے مسجد اقصیٰ میں قبۃ الصخرۃ تعمیر کروایا، لیکن یہ بات درست نہیں ہے، کیونکہ تاریخ یعقوبی کا مصنف شیعہ ہے اور وہ اموی خلفاء کو (اپنی شیعیت کی وجہ سے) پسند نہیں کرتا، دوسری وجہ یہ ہے کہ خلیفہ عبد الملک بن مروان نے اسی دور میں جامع مسجد دمشق اور دیگر مقدس مقامات پر شاندار، خوبصورت عمارتیں تعمیر کروائیں، یہ بھی ان میں سے ہے۔(خطط الشام: 5/253؛ تاریخ یعقوبی: 2/182، القدس)

بہر حال قبۃ الصخرۃ اموی دور کا ایک اہم شاہکار تصور کیا جاتا ہے، جس کی وجہ سے مسجد اقصیٰ کی رونق میں اور اضافہ ہوتا ہے۔ قبۃ الصخرۃ کی تعمیر مشہور تابعی "رجاء بن حیوہ" اور "یزید بن سلام" کی نگرانی میں مکمل ہوئی، جب تعمیر مکمل ہوئی تو ان حضرات نے خلیفۂ وقت کو لکھا کہ ایک لاکھ دینار بچ گئے ہیں، تو خلیفہ نے ان کو ان کی ایمان داری اور دیانت کا انعام دینا چاہا تو انہوں نے جواب دیا کہ ہم اس اعزاز میں اور نعمت کے شکرانے کے طور پر اپنی بیویوں کے زیور اس پر لگادیں، چہ جائیکہ اس کے بدلے انعام لیں، تو خلیفہ نے حکم دیا کہ اس کے سونے کو پگھلا کر طلاکاری کر دی جائے۔ یہ ان کے اخلاص کا نتیجہ تھا۔(فضائل بیت المقدس:ص73)

الصخرۃ

یہ قبہ جس چٹان پر واقع ہے، وہ چٹان ایک قدرتی پتھر ہے، جس کی لمبائی 56 فٹ اور چوڑائی 42 فٹ ہے اور نیم دائرے کی غیر منظم شکل ہے۔ ناصر خسرو اپنے سفر نامہ میں لکھتے ہیں کہ اس کا کل احاطہ 100 گز ہے اور یہ غیر منظم شکل ہے اور نہ ہی مدوّرۃ اور نہ ہی مربّعۃ، یہ عام پہاڑوں کی طرح ہے۔(القدس دراسۃ تاریخیۃ)

اس چٹان کے کئی فضائل ہیں۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ یہ چٹان جنت کی چٹانوں میں سے ہے۔ اکثر مؤرخین کے نزدیک یہ وہی جگہ ہے، جہاں پر اسرافیل علیہ السلام کھڑے ہو کر نفخۂ خیرہ پھونکیں گے۔ یہی انبیاء سابقین علیہم السلام کا قبلہ رہا ہے اور 17،16 ماہ تک نبی کریم ﷺ بھی اس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے رہے۔ یہودیوں کا قبلہ اول ہونے کی وجہ سے عیسائی وہاں پر کوڑا کرکٹ پھینکتے تھے، جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فتح کیا تو اس کو صاف کروایا۔(فضائل بیت المقدس:ص123)

غار

اسی چٹان کے نیچے ایک غار ہے، جو مربعہ شکل میں ہے۔ اس غار کی لمبائی 11 فٹ اور زمین سے اونچائی 30 فٹ ہے۔ غار تک پہنچنے کے لئے قبلہ کی طرف گیارہ سیڑھیاں ہیں اور غار کے دروازے کے پاس ایک عمارت ہے جو دو ستونوں پر مشتمل ہے اور سنگ مرمر سے اس کی تزیین کی گئی ہے۔ عمارت کے اندر دو محراب ہیں۔ محراب کے نیچے دو ستون انتہائی خوبصورت اور سنگ مرمر سے بنے ہوئے ہیں۔ دائیں طرف والے محراب کے سامنے ایک چبوترہ ہے، جس کو مقامِ خضر کہا جاتا ہے۔ شمال میں واقع چبوترہ کو "باب الخلیل" کہا جاتا ہے۔ قبّہ اور غار کا فرش خوبصورت سنگ مرمر سے بنا ہوا ہے، جس سے اس کی چمک اور خوبصورتی میں اور اضافہ ہوتا ہے۔(خطط الشام:5/254)

مسجد کا اندرونی حصہ

مسجد کے اندرونی حصے کے مغربی جانب جامع النساء ہے، جس کو فاطمیین نے تعمیر کروایا اور مغربی جانب جامع عمر رضی اللہ عنہ ہے، جس کو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فتح کے بعد تعمیر کرایا تھا اور اسی عمارت کی طرف ایک بڑا خوبصورت ایوان ہے، جس کو "مقامِ عزیر" کہا جاتا ہے، اسی ایوان کے شمال کی جانب ایک خوبصورت محراب ہے، جس کو "محرابِ زکریا" کہا جاتا ہے اور اس کی لمبائی اور چوڑائی 606 میٹر ہے۔ مغربی جانب ایک لوھے کا جنگلہ ہے، جس میں ایک محراب "محرابِ معاویہ رضی اللہ عنہ" کے نام سے ہے۔ قبلہ کی جانب ایک بڑا محراب ہے، جس کو محرابِ داؤد علیہ السلام کہتے ہیں اور اس کے ساتھ ایک منبر ہے، یہ منبر سلطان نور الدین زنگی نے مسجد اقصیٰ کے لئے بنوایا تھا، خود انتقال کر گئے، لیکن ان کے جانشین سلطان صلاح الدین ایوبی نے اس کو فتح کے بعد حلب سے منگوا کر نصب کیا۔(خطط الشام:5/255)

دیوارِ براق

یہ دیوار روم کے جنوب مغرب میں ہے، اس کی لمبائی 47 میٹر اور بلندی 17 میٹر ہے۔ روایات میں ہے کہ حضور ﷺ نے معراج والی رات یہاں اپنی سواری باندھی تھی، اسی مناسبت سے اس کو دیوار براق کہتے ہیں۔

مسند احمد کی روایت میں ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فتح کے بعد کعب احبار سے پوچھا کہ کہاں نماز پڑھوں؟ انہوں نے فرمایا کہ چٹان کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز پڑھیں، تاکہ سارا قُدُس آپ کے سامنے ہو۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ نے تو یہودیوں سے ملی جلی بات کہی، میں تو وہاں پر نماز پڑھوں گا، جہاں پر رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھی تھی، چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ قبلہ کی جانب گئے اور فاتحین صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ براق باندھنے کی جگہ کے قریب نماز پڑھی، آپ رضی اللہ عنہ نے وہاں پر مسجد تعمیر کرنے کا حکم دیا۔ (البدایہ والنہایہ:12/347؛ خطط الشام:5/255؛ القدس دراسۃ تاریخیۃ)

مینارے

مسجد اقصیٰ کے شمال اور مغرب کی جانب چار مینارے تھے، یہ چاروں مینارے چاروں دروازوں کے ساتھ تعمیر کئے گئے تھے، ان کو باب المغاربۃ کا مینارہ، باب السلسلہ کا مینارہ اور باب الاسباط کا مینارہ کہا جاتا ہے۔ یہ مینارے ممالیک کے دور حکومت (769ھ تا 1367ھ) میں تعمیر ہوئے۔(خطط الشام:5/254)

مسجد اقصیٰ میں تعلیم و تعلّم اور علمی شخصیات

مسلمان بادشاہوں نے مسجد اقصیٰ کی تعمیر کے ساتھ ساتھ اس میں تعلیم و تعلّم کے لئے بھی سہولتیں فراہم کیں:

طلباء کے لئے کمرے اور درسگاہیں تعمیر کیں، ان میں سے جامعۃ المغاربہ، مدرسہ عثمانیہ، مدرسہ کریمیہ، مدرسہ باسطیہ اور مدرسہ طولونیہ وغیرہ تعمیر کرائے۔

مسجد اقصیٰ کی طرف بہت سی علمی اور مذہبی شخصیات نے سفر کئے، جن میں مشہور نام یہ ہیں:

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں سیدنا عبادۃ بن صامت رضی اللہ عنہ اور شداد بن اوس وہیں رہے۔ مشہور مفسر مقاتل بن سلیمان اور فقیہ امام عبد الرحمن بن عمرو اوزاعی اور عراق کے مشہور عالم امام سفیان ثوری اور مصر کے امام لیث بن سعد اور فقہ شافعی کے بانی امام محمد بن ادریس شافعیاور حجۃ الاسلام ہیں۔

اس کے بعد عیسائیوں کے قبضہ میں جانے کے بعد یہ سلسلہ موقوف ہوگیا تھا، لیکن سلطان صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ کی فتح کے بعد دوبارہ اس میں تعلیم اور تعلّم کا سلسلہ جاری ہوگیا اور ہندوستان کے مشہور خطیب مولانا محمد علی جوہر کا مقبرہ مدرسہ خاتونیہ کے باہر واقع ہے۔(معجم البلدان:5/172)



نماز کی کتاب، صف بندی سے متعلق

حدیث نمبر:68

عَنْ أنس بن مالك رضي الله عَنْه قال : قال رسول الله ﷺ : «سَوُّوا صُفُوفَكُمْ، فَإِنّ تَسْوِيَةَ الصُّفُوفِ مِن تَمَامِ الصّلاةِ».

[رواه البخاري، كتاب الأذان، باب إقامة الصف من تمام الصلاة، وفيه: «إقامة الصلاة» بدل: «تمام الصلاة»، برقم 723، ومسلم، كتاب الصلاة، باب تسوية الصفوف وإقامتها، برقم 433]

حدیث مبارکہ کا سلیس ترجمہ

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"اپنی صفیں سیدھی کرو بلاشبہ صفوں کو سیدھا کرنا تکمیل نماز میں سے ہے۔" (صحیح مسلم)

حدیث مبارکہ کے بعض الفاظ کے معانی

1 : سَوُّوْا :سیدھی کرو۔
2 : صُفُوْفَكُمْ :صف کی جمع ہے، اپنی صفیں۔
3 : تَسْوِيَةَ الصُّفُوفِ :صفوں کو سیدھا کرنا۔
4 : مِّنْ تَمَامِ الصَّلَاةِ :نماز کی تکمیل سے ہے۔

حدیث مبارکہ سے حاصل ہونے والے بعض مسائل اور احکام

1. باجماعت نماز میں صف بندی کی اہمیت۔ اہل علم کے راجح قول کے مطابق باجماعت نماز میں درست صف بندی کرنا واجب ہے، امام بخاری رحمہ اللہ نے صحیح بخاری میں یہ باب قائم کیا ہے:"باب إثم من لا يتم الصفوف " اس شخص پر گناہ جو صف کو پورا نہ کرے اور گناہ واجب کے ترک پر ہوتا ہے مستحب و نفل کے ترک پر گناہ نہیں ہوتا ہے۔

صف درست نہ کرنے والوں کے لیے رسول اللہ ﷺ نے سخت وعید سنائی ہے جو اس کے وجوب پر دلالت کرتی ہے۔ واللہ اعلم

2. امام کا مقتدیوں کو صفیں درست کرنے کا حکم دینا۔
3. نماز کے دوران صفیں سیدھی رکھنا واجب ہے اس سے نماز کے درجات میں اضافہ ہوتا ہے۔
4. صفوں کے ٹیڑھا ہونے سے نماز میں نقص واقع ہوتا ہے۔
5. تَسْوِيَةُ الصُّفُوْف سے باجماعت نماز پڑھنے کا اشارہ ملتا ہے۔
6. پہلے پہلی صف کو مکمل کرنا صف کی درستگی میں سے ہے۔
7. امام کے قریب کھڑے ہونا اور پہلی صف میں کھڑے ہونے کی فضیلت ہے۔
8. نماز کی تکمیل ضروری ہے۔
9. نماز میں زیادہ سے زیادہ ثواب پانے کی کوشش اور اہتمام کرنا۔
10. درست صف بندی کا طریقہ یہ ہے کہ ہر نمازی اپنے پاؤں اپنے قد یعنی کندھے کے مطابق کھولے اور اپنے پاؤں کا رخ قبلہ رکھے اور اپنے ساتھی کے پاؤں کے ساتھ پورا پاؤں اس طرح ملائے کہ ساتھی کے ٹخنے کے ساتھ ٹخنہ اور کندھے کے ساتھ کندھا مل جائے۔

صف بندی سے متعلق

حدیث نمبر:69

عَنْ النعمان بن بشير رضي الله عَنْه، قال : سَمِعْتُ رسول الله ﷺ يقول : «لَتُسَوُّنَّ صُفُوفَكُمْ أَوْ لَيُخَالِفَنّ اللهُ بَيْنَ وُجُوهِكُمْ».وَلِمُسْلِمٍ: «كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يُسَوِّي صُفُوفَنَا، حَتَّى كَأَنَّمَا يُسَوِّي بِهَا الْقِدَاحَ، حَتَّى رَأَى أَنْ قَدْ عَقَلْنَا عَنْهُ، ثُمّ خَرَجَ يَوْمًا فَقَامَ حَتَّى كَادَ أَنْ يُكَبِّرَ، فَرَأَى رَجُلاً بَادِياً صَدْرُهُ، فَقَالَ : «عِبَادَ اللّـهِ، لَتُسَوُّنّ صُفُوفَكُمْ أَوْ لَيُخَالِفَنّ اللّـهُ بَيْنَ وُجُوهِكُمْ».[رواه البخاري، كتاب الأذان، باب تسوية الصفوف عند الإقامة وبعدها، بلفظه: 717، ومسلم، كتاب الصلاة، باب تسوية الصفوف وإقامتها، وفضل الأول فالأول منها، والازدحام على الصف الأول والمسابقة إليها، وتقديم أولي الفضل، وتقريبهم من الإمام، برقم 436.]

حدیث مبارکہ کا سلیس ترجمہ

سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ فرماتے ہیں تم ضرور اپنی صفوں کو سیدھا کرو گے یا تمہارے چہروں کے درمیان اللہ مخالفت ڈال دے گا۔

صحیح مسلم کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہماری صفوں کو سیدھا کیا کرتے تھے گویا کہ ان کے ساتھ تیروں کو سیدھا کیا جاسکتا ہے یہاں تک کہ آپ نے دیکھا کہ ہم نے آپ سے یہ مسئلہ سمجھ لیا ہے پھر ایک دن آپ نکلے کھڑے ہوئے قریب تھا کہ آپ تکبیر کہتے آپ نے ایک شخص کو دیکھا کہ اس کا سینہ باہر نکلا ہوا ہے تو آپ نے ارشاد فرمایا: "اللہ کے بندوں اپنی صفیں سیدھی کرو ورنہ اللہ تمہارے چہروں کے درمیان مخالفت ڈال دے گا۔"

حدیث مبارکہ کے بعض الفاظ کے معانی

1 : لَتُسَوُّنّ :تم ضرور سیدھا کروگے۔
2 : صُفُوْفَكُمْ :اپنی صفیں۔
3 : اَوْلَيُخَالِفَنّ اللّٰهُ: یا اللہ ضرور مخالفت ڈال دے گا۔
4 : بَيْنَ وُجُوْهِكُمْ: تمہارے چہروں کے درمیان
5 : يُسَوِّيْ صُفُوْفَنَا: ہماری صفوں کو سیدھا کرتے
6 : الْقِدَاحُ : تیر۔

7 : عَقَلْنَا : ہم نے آپ سے سمجھ لیا۔

8 : كَادَ اَنْ يُكَبِّرَ: قریب تھا کہ آپ تکبیر کہتے۔

حدیث مبارکہ سے حاصل ہونے والے بعض مسائل اور احکام

1. باجماعت نماز کے لیے صفوں کو سیدھا کرنا واجبات میں سے ہے۔
2. پوری نماز کے دوران صفوں کو درست رکھنا ضروری ہے۔
3. نماز کے دوران صفوں کے ٹیڑھا ہونے سے نبی کریم ﷺ نے ناراضگی کا اظہار کیا ہے لہذا اس سے ہر مسلمان کو اجتناب کرنا چاہیے اور درست صف بندی کا خیال بہت اہتمام سے رکھنا چاہیے۔
4. مقتدیوں کی صف کو درست کرنے کا اہتمام امام کی ذمہ داری ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ خود صفیں سیدھی کراتے تھے۔
5. امام کو چاہیے کہ یہ مسئلہ اتنی دیر تک سمجھاتے رہیں یہاں تک کہ مقتدی اچھی طرح صف بندی سمجھ لیں اور عملاً درستگی کر لیں۔ جیسا کہ اس حدیث میں بیان ہوا ہے۔
6. باجماعت نماز میں درست صف بندی سے اللہ رحمت فرماتے ہیں اور لوگوں کے درمیان آپس میں پیار و محبت قائم رہتا ہے۔ مسلمانوں کا آپس میں مل جل کر رہنے کی فضیلت بھی ثابت ہوتی ہے۔
7. مسلمانوں کے آپس کے افتراق و اختلافات کے اسباب میں سے ایک سبب باجماعت نماز میں درست صف بندی نہ کرنا ہے۔ اس سے مسلمانوں کا آپس میں لڑائی جھگڑے اور گروہ بندیوں کی ممانعت کا پتا چلتا ہے جس کے آج کل کے مسلمان بری طرح شکار ہیں۔
8. اقامت ہو جانے کے بعد اور تکبیر تحریمہ سے پہلے امام مقتدیوں سے ہم کلام ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ اس حدیث مبارکہ میں بیان ہوا ہے۔
9. اقامت کے دوران امام کا نمازیوں کی طرف منہ کر کے کھڑا ہونا اور ان کی نقل و حرکت وغیرہ کو دیکھنا۔ جیسا کہ اس حدیث مبارکہ میں بیان ہوا ہے۔
10. امام کا اپنے مقتدیوں سے حسن اخلاق سے پیش آنا، جس شخص کا سینہ صف سے باہر نکلا ہوا تھا اس کو دیکھ کر نبی کریم ﷺ نے مقتدیوں کو عباداللہ (اللہ کے بندوں) جیسے محبت بھرے جملے سے مخاطب کیا۔
11. پہلی صف میں اور امام کے قریب کھڑے ہونے کی فضیلت ۔

زخم خوردہ ارضِ فلسطین

نہ ہوگا کوئی حادثہ ایسا سنگیں ہے کیا روح فرسا سقوطِ فلسطیں
بچھایا جو صیاد نے دامِ زرّیں تڑپتا پھڑکتا ہے اب اس میں شاہیں
خدا کا غضب کیوں نہیں ٹوٹ پڑتا ہے بیت المقدس پہ رقصِ شیاطیں
بلاؤں میں یہ شہر پلتا رہا ہے کیا اس نے ایک اور بھی غسلِ خونیں
بڑے کرب کے ساتھ سب کہہ رہے ہیں ابھی زخم خوردہ ہے ارضِ فلسطیں
در و بامِ اقصیٰ جو ہیں دل گرفتہ تو ہیں نوحہ خواں چرخ پر ماہ و پرویں
وہاں کتنی آیات پھیلی ہوئی ہیں یہ 'والتین' ہے اور وہ 'طورِ سینین'
درندوں کی قائم ہوئی حکمرانی کوئی ضابطہ ہے نہ دستور و آئیں
زوالِ مسلماں کی حد بھی ہے کوئی نہ اقبالِ دنیا نہ سلطانیٔ دیں
بساطِ سیاست کے مہرے ہیں شاداں بنا ہے کوئی شاہ اور کوئی فرزیں
ہیں دنیا میں یوں تو بہت سے مسلماں نہ عزت نہ حشمت نہ عظمت نہ تمکیں
یہ اقوامِ مغرب کی افسوں طرازی جو وہ شہد بھی دیں تو ہے زہر آگیں
ہمیں پھر سے حاصل ہو بیت المقدس کہیں اس دعا پر فرشتے بھی آمیں
ملے ہم کو فردوسِ گم گشتہ یا رب بہ فیضانِ آیاتِ طٰہٰ و یٰسیں
ہو اسلام کا بول بالا الٰہی سوادِ مراکش سے تا سرحدِ چیں
مسلماں کی تاریخ کا بابِ روشن ہے حمادؔ خونِ شہادت سے رنگیں

حضرت ابوالبیاں حماد



شادی بیاہوں میں اختیار کیے جانے والے طور اطوار احادیث رسول ﷺ کی روشنی میں

مذکورہ رسومات کے ارتکاب، ان میں شرکت اور ان سے تعاون میں بڑے بڑے دین دار حضرات بھی کوئی تأمل نہیں کرتے۔ ایسے مداہنت پسند حضرات کے لیے چند احادیث مختصر مختصر تبصرے کے ساتھ پیش ہیں تاکہ ان کی روشنی میں اپنے طرزِ عمل کا جائزہ لیا جاسکے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ وَذٰلِكَ أَضْعَفُ الْإِيْمَانِ» (صحیح مسلم)

”تم میں سے جو کسی برائی کو دیکھے تو اسے چاہیے کہ وہ اس کو اپنے ہاتھ سے روک دے، اگر اس کی طاقت نہ ہو تو زبان سے اس کی برائی کا اظہار کرے، اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو دل سے اس کو بُرا سمجھے، اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔“

وضاحت: مرد کو اللہ تعالیٰ نے عورتوں پر قوام (حاکم، نگران، سربراہ) بنایا ہے، اس لیے ہر مرد فطری طور پر اپنے گھر کا سربراہ ہے۔ سربراہ کی ذمہ داری ہے کہ وہ گھر کے سارے افراد کو راہِ راست پر رکھے اور اس سے اُن کو منحرف نہ ہونے دے۔ اس خداداد مقام پر فائز مرد کے یہ شایانِ شان نہیں کہ وہ یہ کہے کہ شادی کی رسومات میں بیوی میری بات نہیں مانتی، بچے نہیں مانتے۔ یہ اس کے شیوۂ مردانگی کے بھی خلاف ہے اور یہ عذر بارگاہِ الٰہی میں ناقابل شنوائی بھی۔ علاوہ ازیں دنیاوی معاملات میں کیا کوئی مرد ایسی بے بسی کا مظاہرہ کرتا ہے؟ اگر ہانڈی میں نمک مرچ کم یا زیادہ ہو جائے تو دونوں صورتوں میں عورت کی شامت آجاتی ہے۔ اس وقت تو عورت کی بے بسی کا یہ عالم ہوتا ہے کہ وہ مرد کی ناراضی پر چُوں بھی نہیں کرتی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ دین ہی ایسا یتیم ہے کہ ہماری عورتیں اور بچے اس کے ساتھ جو چاہے، سلوک کرلیں، مردوں کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگتی۔

مذکورہ حدیث کی روشنی میں ہر مرد سوچ لے کہ منکرات سے یہ سمجھوتہ اس کو ایمان کی کس پستی میں دھکیل رہا ہے۔ أعاذنا الله منه

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

« أَلَا كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ، فَالأَمِيرُ الَّذِي عَلَى النَّاسِ رَاعٍ عَلَيْهِمْ وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْهُمْ، وَالرَّجُلُ رَاعٍ عَلَى أَهْلِ بَيْتِهِ وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْهُمْ، وَالْمَرْأَةُ رَاعِيَةٌ عَلَى بَيْتِ بَعْلِهَا وَوَلَدِهِ وَهِيَ مَسْئُولَةٌ عَنْهُمْ، وَالْعَبْدُ رَاعٍ عَلَى مَالِ سَيِّدِهِ وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْهُ فَكُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ »(صحیح مسلم، کتاب الامارۃ)

”خبردار! تم سب کے سب نگران اور ذمے دار ہو اور تم سب سے اپنی اپنی رعیت (ماتحتوں) کے بارے میں باز پرس ہوگی۔ حاکم وقت، لوگوں پر حکمران، ذمے دار اور نگران ہے اور اس سے اس کی رعیت (ملک کے عوام) کی بابت باز پرس ہوگی۔ مرد اپنے گھروالوں پر نگران ہے اور اس سے ان کی بابت پوچھا جائے گا، عورت اپنے خاوند کے گھر اور اس کے بچوں کی نگران ہے اور اس سے ان کی بابت باز پرس ہوگی، غلام اپنے آقا کے مال کا نگران ہے اور اس سے اس کی بابت پوچھا جائے گا۔ اچھی طرح سن لو! تم سب کے سب نگران اور ذمے دار ہو اور تم سب سے اپنے اپنے ماتحتوں (رعیت) کے بارے میں پوچھا جائے گا۔“

وضاحت: عربی زبان میں راعی کا مطلب ہے: نگران اور ذمے دار، کس چیز کا؟ جو اس کے ماتحت ہے۔ وہ ان کی اصلاح کرنے، ان کے ساتھ عدل وانصاف کا برتاؤ کرنے اور ان کے دین ودنیا کی مصلحتوں کا خیال رکھنے کا ذمے دار ہے۔

مَسْئُوْلٌ کا مطلب ہے، اس سے قیامت کے دن پوچھا جائے گا، باز پرس ہوگی، کس بات کی؟ اس بات کی کہ اس نے اپنے ماتحتوں کے حقوق کی رعایت کی؟ ان کی دینی ودنیاوی مصلحتوں کا خیال رکھا اور ان کی تعلیم وتربیت کا صحیح اہتمام کیا؟

اس حدیث کی روشنی میں جائزہ لیا جائے کہ معاشرے میں پھیلی ہوئی برائیوں اور شادی بیاہ میں ہونے والی خلافِ شرع رسومات و خرافات سے اپنے اپنے ماتحتوں کو بچانے میں کوئی کردار ادا کیا ہے؟ اگر ادا کیا ہے تو وہ کیا ہے؟... ہر گھر کا سربراہ مرد اور عورت بھی اللہ کی بارگاہ میں جانے سے پہلے آخرت کی باز پرس کو سامنے رکھے۔ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَبْغَضُ النَّاسِ إِلَى اللهِ ثَلَاثَةٌ مُلْحِدٌ فِي الْحَرَمِ وَمُبْتَغٍ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ

وَمُطَّلِبُ دَمِ امْرِئٍ بِغَيْرِ حَقٍّ لِيُهَرِيقَ دَمَهُ»

"لوگوں میں سب سے زیادہ ناپسندیدہ اللہ کے ہاں تین شخص ہیں۔ ایک حرم میں بے دینی پھیلانے والا۔ دوسرا، اسلام میں جاہلیت کے طریقے تلاش (اختیار) کرنے والا، تیسرا، ناحق کسی شخص کے خون کا خواہاں، تاکہ وہ اس کا خون بہائے۔" (صحیح بخاری)

وضاحت: ہماری شادی بیاہوں کی بیشتر رسومات ہندوؤں کی نقالی پر مبنی ہیں یا مغرب کی حیا باختہ تہذیب اور زمانۂ جاہلیت کی خرافات پر۔ گویا قدیم و جدید جاہلیت کا مجموعہ اور اسلامی تعلیمات سے یکسر بے اعتنائی کا نمونہ۔

اس انداز سے شادیاں کرنا، یا ان میں ذوق وشوق سے شریک ہو کر ان کی حوصلہ افزائی کرنا، یہ اسلام میں جاہلی طریقوں ہی کو فروغ دینا ہے۔ ایسے لوگوں کا اللہ کے ہاں کیا مقام ہے وہ اس حدیث کی دوسری شق سے واضح ہے۔ دنیا میں تو انسان کا ہوا و ہوس میں مبتلا نفس اور شیطان اس کا پتہ نہیں چلنے دیتا، لیکن آخرت میں تو ان کی کارفرمائی ختم ہو چکی ہو گی اور اللہ کے ہاں اس کا وہ مقام واضح ہو کر سامنے آجائے گا، جس کا ہیولیٰ اس نے اپنے عمل و کردار سے تیار کیا ہو گا اور وہ ہے، اللہ کے ہاں ناپسندیدہ ترین شخص، اور اس روز ناپسندیدہ ترین شخص کا جو مقام ہو گا، اس کا اندازہ رسوماتِ جاہلیہ کے دل دادہ ہر مرد اور عورت کو کر لینا چاہیے۔ سیدنا جریر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً فَعُمِلَ بِهَا، بَعْدَهُ كُتِبَ لَهُ مِثْلُ أَجْرِ مَنْ عَمِلَ بِهَا، وَلَا يَنْقُصُ مِنْ أُجُورِهِمْ شَيْءٌ، وَمَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةً سَيِّئَةً فَعُمِلَ بِهَا، بَعْدَهُ كُتِبَ عَلَيْهِ مِثْلُ وِزْرِ مَنْ عَمِلَ بِهَا، وَلَا يَنْقُصُ مِنْ أَوْزَارِهِمْ شَيْءٌ» (صحیح مسلم:6800)

"جس نے اسلام میں کوئی اچھا طریقہ ایجاد کیا، تو اس کو خود اس پر عمل کرنے کا اجر بھی ملے گا اور اُن کا بھی اجر ملے گا جو اُس کے بعد اس پر عمل کریں گے، بغیر اس کے کہ ان کے اجروں میں کچھ کمی ہو اور جس نے اسلام میں کوئی برا طریقہ ایجاد کیا تو اس پر (اس کے اپنے عمل کا بھی) بوجھ ہو گا اور ان سب کے گناہوں کا بھی بوجھ ہو گا جو اس کے بعد اس برائی پر عمل کریں گے، بغیر اس کے کہ ان کے بوجھوں میں کوئی کمی ہو۔"

وضاحت: اس حدیث میں "اچھا طریقہ" نکالنے یا جاری کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اپنی طرف سے دین میں کوئی نئی چیز ایجاد کرے، کیونکہ یہ تو بدعت ہو گی جس کی بابت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ہر بدعت گمراہی اور جہنم میں لے جانے والی ہے۔ بدعت سازی دراصل شریعت سازی ہے، جس کی اجازت کسی کو نہیں ہے۔ بلکہ اچھے طریقے سے مراد کسی ایسے عمل میں پہل کرنا ہے جو شریعت سے ثابت ہے یا کسی ایسی جگہ پر اس عمل شریعت کو سرانجام دینا ہے، جہاں پہلے لوگوں کو اس کا علم نہیں تھا یا خاندانی رسم و رواج کی وجہ سے اس پر عمل متروک تھا، اس کو کرنے پر دوسروں کو ترغیب ملی اور اُنہوں نے بھی اس کو اختیار کر لیا، یا کسی جگہ کوئی سنّت متروک تھی، کسی ایک شخص کے عمل کرنے پر دوسرے لوگوں نے بھی اس سنّت کو اپنا لیا۔ ان تمام صورتوں میں کسی بھی ثابت شدہ نیک عمل کا آغاز کرنے والے، سنت متروکہ کو زندہ کرنے والے اور فراموش شدہ نیکیوں کو یاد کرانے والے کو ان تمام لوگوں کے عمل کا بھی اجر ملے گا جو اس کے بعد اس پر عمل کریں گے۔ اسی طرح کسی نے اس کے برعکس برائی میں پہل کی یا اس کا کسی جگہ آغاز کیا تو بعد میں اس کو دیکھ کر برائی کے مرتکبین کے گناہوں کا بوجھ بھی اس پہل کرنے یا آغاز کرنے والے کو ملے گا۔

اس حدیث کی روشنی میں شادی بیاہوں کی جاہلانہ رسومات اور اسراف و تبذیر پر مبنی بھاری بھر کم اخراجات، سنتِ سیئہ (برا طریقہ) ہے۔ کسی خاندان میں اگر سادگی سے نکاح کرنے کا رواج تھا، رسومات سے بچا جاتا تھا۔ لیکن اس خاندان کے کسی فرد نے اگر دولت کے نشے میں اس کے برعکس مروّجہ رسومات کے ساتھ شادی کرنے میں پہل کی، یا اس خاندان میں مہندی کی بے حیائی پر مبنی رسم نہیں تھی، اُس نے اس خاندان میں اس کا آغاز کیا، پہلے مجرے کا سلسلہ نہیں تھا، اس نے اس کا ارتکاب کیا، وعلیٰ ہذا القیاس، اسی طرح کی دیگر برائیوں میں پہل کرتا ہے۔ تو اس کے بعد اس خاندان میں جتنے لوگ بھی ان میں ملوث ہوں گے، ان کا ارتکاب کریں گے، ان سب کے گناہوں کا بوجھ بھی اس پہل کرنیوالے کو ملے گا۔

اسی طرح شادی بیاہوں میں سادگی، پردے کی پابندی، بھاری بھر کم اخراجات سے اجتناب جیسی خوبیاں سنتِ حسنہ (اچھا طریقہ) ہے۔ جو شخص اپنے خاندان میں اس اچھے طریقے سے شادی کرنے میں پہل کرے گا، بعد میں اس خاندان کے جتنے لوگ اس کی پیروی کرتے ہوئے تمام خرافات و رسومات سے بچ کر شادیاں کریں گے، پہل کرنے والے کو بھی ان سب کی ان نیکیوں کا اجر... ان کے اجروں میں کٹوتی کے بغیر ملے گا۔

یہ دو راستے اور دو طریقے ہیں۔ ایک ڈھیروں اجر و ثواب کمانے کا اور دوسرا گناہوں کا ناقابل برداشت بوجھ اپنے اوپر لاد لینے کا۔

﴿فَمَن شَاءَ فَلْيُؤْمِن وَمَن شَاءَ فَلْيَكْفُرْ ۚ إِنَّا أَعْتَدْنَا لِلظَّالِمِينَ نَارًا﴾ (سورۃ الکہف: 29)

"اب جس کا جی چاہے، بھلائیوں والا راستہ اپنالے اور

جس کا جی چاہے دوسرا، لیکن اسے یاد رکھنا چاہیے کہ نافرمانی والا راستہ اختیار کرنیوالوں کیلیے جہنم کی آگ ہے۔"

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ لَبِسَ ثَوْبَ شُهْرَةٍ أَلْبَسَهُ اللهُ يَوْمَ القِيَامَةِ ثَوْبًا مِثْلَهُ، ثُمَّ تُلْهَبُ فِيهِ النَّارُ»

"جس نے دنیا میں شہرت کا لباس پہنا، اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن ذلّت کا لباس پہنائے گا، پھر اس میں جہنم کی آگ بھڑکائے گا۔" (سنن ابن ماجہ)

وضاحت: اللہ تعالیٰ نے اسباب و وسائل سے نوازا ہو تو اظہارِ نعمت کے طور پر اچھا اور عمدہ لباس پہننا جائز ہے۔ لیکن اس حدیث میں جس لباس شہرت کا ذکر ہے، وہ کون سا ممنوع لباس ہے؟ اس کی چار صورتیں ہیں:

اس کی ایک صورت تو یہ ہے کہ انسان اس نیت سے لباس فاخرہ پہنے کہ لوگوں میں اس کے لباس کا اور اس کی شان و شوکت کا چرچا ہو۔

دوسری صورت یہ ہے کہ عام چلن کے برعکس ایسے رنگ کا یا ایسی تراش خراش کا لباس پہنے کہ اس کی اس طرفہ طرازی کی وجہ سے اس کی شہرت ہو۔

تیسری صورت یہ ہے کہ ریاکاری کے طور پر فقرا و مساکین کے روپ میں رہے تاکہ لوگ اسے پارسا اور پرہیز گار سمجھیں۔

چوتھی صورت یہ ہے کہ محض نمود و نمائش کی نیت سے کسی مخصوص قسم کے لوگوں کا لباس اور اُن کے طور اطوار اختیار کیے جائیں۔ جیسے آج کل بہت سے نوجوان لڑکے اور لڑکیاں فلموں میں کام کرنے والے مردوں اور عورتوں کے حیاباختہ لباسوں اور بے ہودہ طور اطوار کی نقالی کرتے ہیں۔

اور ایک پانچویں صورت یہ ہے کہ ایسا لباس پہنا جائے کہ لباس پہننے کے باوجود جسم کے نمایاں حصے عریاں ہو۔ اس صورت کی مزید تفصیل اگلی حدیث کے تحت آئے گی۔

شادی بیاہوں میں ہماری عورتوں کا لباس بالعموم، ایک تیسری صورت کو چھوڑ کر، باقی صورتوں کا مظہر ہوتا ہے۔ اس قسم کے لباسوں پر جو سخت وعید ہے، وہ ہم سب کے لیے لمحۂ فکریہ ہے۔

﴿فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ﴾ (سورۃ القمر: 17)

"کیا کوئی ہے نصیحت پکڑنے والا؟"

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

صِنْفَانِ مِنْ أَهْلِ النَّارِ لَمْ أَرَهُمَا: قَوْمٌ مَعَهُمْ سِيَاطٌ كَأَذْنَابِ الْبَقَرِ يَضْرِبُونَ بِهَا النَّاسَ. وَنِسَاءٌ كَاسِيَاتٌ عَارِيَاتٌ مُمِيلَاتٌ مَائِلَاتٌ، رُؤُوسُهُنَّ كَأَسْنِمَةِ الْبُخْتِ الْمَائِلَةِ. لَا يَدْخُلْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يَجِدْنَ رِيحَهَا، وَإِنَّ رِيحَهَا لَيُوجَدُ مِنْ مَسِيرَةِ كَذَا وَكَذَا

"جہنمیوں کی دو قسمیں ہیں، جنہیں میں نے نہیں دیکھا (ابھی ان کا وجود نہیں ہے، مستقبل میں ہوگا) ایک وہ لوگ کہ ان کے پاس کوڑے ہوں گے، گائے کی دموں جیسے، وہ ان سے لوگوں کو ماریں گے۔ (دوسری قسم) وہ عورتیں، جو لباس پہننے کے باوجود ننگی ہوں گی، مائل کرنے والی اور مائل ہونے والی ہوں گی، ان کے سر بختی اونٹ کی کوہان کی طرح جھکے ہوں گے، یہ عورتیں جنّت میں نہیں جائیں گی بلکہ اس کی خوشبو تک نہ پائیں گی حالانکہ اس کی خوشبو اتنی اتنی مسافت (یعنی بڑی بڑی دور) سے سونگھی جاسکنے والی ہوگی۔" (صحیح مسلم، کتاب اللباس)

وضاحت: یہ حدیث نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات اور اعلام نبوت میں سے ہے۔ آپ نے اس میں جن دو قسم کے لوگوں کی پیش گوئی فرمائی تھی، آج قدم قدم پر اس کا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔ خاص طور پر عورت کی جن فتنہ سامانیوں اور حشر انگیزیوں کا اس میں تذکرہ ہے، وہ محتاجِ بیان نہیں۔ ذیل میں اس کی کچھ توضیح کی جاتی ہے۔

پہلی قسم سے ظالم قسم کے لوگ مراد ہیں، جو اپنے وسائل، طاقت و اقتدار اور جاہ و منصب کی بنیاد پر لوگوں کے ساتھ ظلم وزیادتی کا معاملہ کرتے ہیں۔ دنیا میں یہ لوگ طاقت کے نشے میں اندھے اور مغرور ہوتے ہیں اس لیے رحم و کرم کے بجائے ظلم و ستم ان کا شعار ہوتا ہے۔ آخرت میں اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ایسے لوگ جہنم کا ایندھن بنیں گے۔ اعاذنا اللہ منہ

جہنمیوں کی دوسری قسم فیشن ایبل عورتوں کی ہوگی، ان کی حسبِ ذیل علامات اور خصوصیات ہوں گی:

لباس پہننے کے باوجود ننگی ہوں گی، اس کی تین شکلیں عام ہیں:

لباس پہننے کے باوجود ان کے جسم کے بہت سے قابل ستر حصے ننگے ہوں گے، جیسے چہرہ، ہاتھ، یا بازو، گردن اور سینہ (چھاتی) اور گردن کا پچھلا حصہ۔ عورتوں کی ایک بہت بڑی تعداد ایسی ہے جن کے یہ حصے ننگے ہوتے ہیں حالانکہ یہ سب حصے پردے میں رہنے چاہئیں۔

ایسا تنگ اور چست لباس پہنا جائے کہ جس سے جسم کے خدوخال ہی نہیں، انگ انگ نمایاں ہو۔

یا ایسا باریک لباس پہنیں کہ جس سے سارا جسم جھلکتا نظر آئے اور اُن کی جلد کی رنگت اور اُن کا حسن نمایاں ہو۔

یہ تینوں صورتیں بے پردگی کی ہیں، جن سے مردوں کو دعوتِ نظارہ ملتی ہے۔ مسلمان خواتین کو جو پردے کی اہمیت کو سمجھتی ہیں، نامحرموں کے سامنے مذکورہ تینوں صورتوں سے بچنا چاہیے، اس کے بغیر پردے

کے تقاضے پورے نہیں ہو سکتے۔

2۔ مُمِيْلَات کے ایک معنی کیے گئے ہیں، دوسری عورتوں کو بھی مردوں کی طرف راغب کرنے والیاں، یا اپنے کندھوں کو نازو ادا سے مٹکا مٹکا کر چلنے والیاں۔ مطلب یہ ہے کہ اپنی چال ڈھال یا ناز و ادا سے مردوں کو اپنی طرف مائل کرنا اور دوسروں کو بھی بے حیائی کی اس راہ پر لگانا جیسے فلموں اور ڈراموں میں کام کرنے والی حیا باختہ عورتوں کا کردار ہے، اور شادی میں شرکت کرنے والی خواتین کا حال ہے کہ وہ بھی اس موقعے پر انہی کی نقالی کرتے ہوئے لباس، بناؤ سنگھار اور بے پردگی میں انہی کا نمونہ بننے کی کوشش کرتی ہیں تاکہ مووی فلم کے ذریعے سے پورے خاندان میں اُن کے حسن و جمال، ان کے لباس اور زیورات اور ان کے سولہ سنگھار کا تذکرہ ہو۔

3۔ مَائِلَات کے معنی ہیں ناز و ادا سے ایسی چال چلنا جس سے لوگ ان کی طرف مائل اور راغب ہوں۔

4۔ بختی اونٹ کی مانند اُن کے سر ہوں گے، کا مطلب، سر پر جوڑا کر کے اُن کو سر کے درمیان اونچا کر کے باندھ لینا۔ یہ فیشن بھی چند سال قبل عورتوں میں عام تھا، اور اب بھی بہت سی عورتیں کرتی ہیں، حتیٰ کہ بعض برقع پوش خواتین کے سروں پر بھی اس طرح کی کلغی نظر آتی ہے۔ اس حدیث کی رو سے بالوں کا یہ اسٹائل یا فیشن بھی ناپسندیدہ ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ رضي الله عنه، قَالَ: لَعَنَ اللهُ الْوَاشِمَاتِ وَالْمُسْتَوْشِمَاتِ، وَالْمُتَنَمِّصَاتِ وَالْمُتَفَلِّجَاتِ لِلْحُسْنِ، الْمُغَيِّرَاتِ خَلْقَ اللهِ فَبَلَغَ ذَلِكَ امْرَأَةً مِنْ بَنِي أَسَدٍ يُقَالُ لَهَا أُمُّ يَعْقُوبَ فَجَاءَتْ، فَقَالَتْ: إِنَّهُ بَلَغَنِي عَنْكَ أَنَّكَ لَعَنْتَ كَيْتَ وَكَيْتَ، فَقَالَ: وَمَا لِي أَلْعَنُ مَنْ لَعَنَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فِي كِتَابِ اللهِ، فَقَالَتْ: وَاللهِ لَقَدْ قَرَأْتُ مَا بَيْنَ اللَّوْحَيْنِ فَمَا وَجَدْتُ فِيهِ مَا تَقُولُ، قَالَ: وَاللهِ لَئِنْ كُنْتِ قَرَأْتِيهِ لَقَدْ وَجَدْتِيهِ أَمَا قَرَأْتِ﴿وَمَا آتَاكُمْ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا﴾

(صحیح بخاری، کتاب اللباس، باب المتنمصات و مسلم)

”سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ نے لعنت فرمائی، جسم گودنے والی اور گدوانے والی عورتوں پر، بال اُکھڑوانے والیوں پر، حسن کی خاطر، (دانتوں کے اندر) شگاف کرنے والیوں پر، اللہ کی تخلیق کو بدلنے والیوں پر۔ اُمّ یعقوب (نامی عورت) نے کہا: اے (عبد اللہ!) تم یہ کیا کہتے ہو؟ حضرت عبد اللہ نے فرمایا: مجھے کیا ہے کہ میں اس پر لعنت نہ کروں جس پر اللہ کے رسول نے لعنت کی ہے اور جو اللہ کی کتاب میں لعنتی ہے؟ اس عورت نے کہا: اللہ کی قسم! میں نے تو وہ سارا قرآن پڑھا ہے جو دو تختیوں کے درمیان ہے، اس میں تو میں نے یہ چیز (مذکورہ قسم کی عورتوں پر لعنت) نہیں پائی۔ سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم! اگر تو اسے (صحیح سمجھ کر) پڑھتی تو یقینا تو اس میں یہ بات پاتی کہ اللہ کے رسول تمہیں جو دیں اسے لے لو (اپنالو) اور جس سے تمہیں روک دیں، اس سے رک جاؤ۔“

تشریح: وَاشِمَات، وَاشِمَة کی جمع ہے، وشم کرنے والی عورت۔

مُسْتَوْشِمَات جمع ہے: مُسْتَوْشِمَة کی، وشم کروانے والی عورت۔ وشم کے معنی ہیں گودنا، جس کا مطلب ہے کہ جسم کے کسی حصے پر سوئی یا اسی قسم کی کسی چیز سے باریک سا سوراخ کرنا حتی کہ خون بہنا شروع ہو جائے، پھر اس میں سرمہ یا کوئی رنگ بھر دینا۔ عام طور پر چہرے یا ہاتھوں پر ایسا کیا جاتا تھا جیسے ہندو عورتیں پیشانی پر سیندور بھرتی یا بندیا لگاتی ہیں۔ گودنا بھی اسی قسم کا کوئی فیشن تھا جو زمانہ جاہلیت میں عورتوں میں رائج تھا۔

مُتَنَمِّصَات، مُتَنَمِّصَة کی جمع ہے۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

”اس کے معنی ہیں، بال اُکھڑوانے والی عورت اور اُکھیڑنے والی عورت کو نَامِصَة کہا جاتا ہے (جیسا کہ صحیح مسلم کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں) گویا مُتَنَمِّصَات وہ عورتیں ہیں جن کے چہروں یا اَبروؤں سے بال اُکھیڑے جائیں اور جو عورتیں یہ کام کریں گی، وہ نَامِصَة ہیں۔ یہ بھی اس زمانے کا ایک فیشن تھا کہ پلکوں (ابروؤں) اور چہرے کے اِکّے دُکّے بالوں کو اُکھیڑا جاتا تھا جیسے آج کل بھی یہ جاہلی فیشن عورتوں میں عام ہے۔ وہ ابروؤں کے بالوں کو اکھیڑ کر مختلف قسم کے چمکیلے رنگ یا سرمہ وغیرہ اس میں بھر لیتی ہیں۔ حدیث کی رو سے یہ سب لعنتی فعل ہیں۔ تاہم کسی عورت کے چہرے پر داڑھی یا مونچھیں اُگ آئیں تو چونکہ یہ معمول کے خلاف بات ہے، اس لیے ان بالوں کا صاف کرنا اس کے لیے جائز بلکہ مستحب ہے کیونکہ ان بالوں سے واقعی عورت کا چہرہ بدنما ہو جاتا ہے۔ اس بدنمائی کو دور کرنا اس کے لیے جائز اور مستحب ہے جب کہ پہلی قسم کا مطلب فیشن کے طور پر اللہ کی پیدائش میں تبدیلی کرنا ہے جس کی اجازت نہیں ہے۔“

مُتَفَلِّجَات، مُتفلّجة کی جمع ہے۔ یہ اس عورت کو کہا جاتا ہے جو فَلَج کرتی یا کرواتی ہے۔ فَلَج کے معنی ہیں: ثنائی یا رباعی دانتوں کے درمیان کشادگی کرنا۔ یہ وہ عورتیں کرتی تھیں جن کے دانت ملے ہوتے تھے اور وہ ایسا اپنے آپ کو کمسن یا خوب صورت ظاہر کرنے کے لیے کرتی تھیں، کیونکہ کمسن عورتوں کے دانتوں کے درمیان کچھ کشادگی ہوتی تھی جو ان کی کمسنی اور حسن کی علامت سمجھی جاتی تھی، اس لیے بڑی عمر کی عورتیں فَلَج کر کے اپنی عمر تھوڑی اور اپنے آپ کو

حسین باور کراتی تھیں، جیسے آج کل بھی عورتوں میں یہ رجحان عام ہے اور اپنی عمر چھپانے کے لیے وہ دسیوں قسم کے فیشن اور میک اپ کرتی ہیں۔

مذکورہ سب کام ایسے ہیں جن پر لعنت فرمائی گئی ہے اور اس کی دو وجوہ ہیں:

ایک یہ کہ ان سب کاموں میں مقصد دھوکا اور فریب دینا ہے۔ دوسرے، ان میں اللہ کی پیدائش میں تبدیلی کرنے کی مذموم سعی ہے۔

مذکورہ تفصیل سے حسب ذیل چیزیں واضح ہوتی ہیں:

عورت زیب و زینت اختیار تو کر سکتی ہے (گو اس کا اظہار صرف خاوند و محارم کے سامنے جائز ہے) لیکن اپنے حسن و جمال میں اضافے کے لیے زیب و زینت کے ایسے طریقے اختیار نہیں کر سکتی جن میں دھوکہ اور فریب کا عنصر شامل ہو، یا ان میں اللہ کی تخلیق میں تبدیلی کا اظہار ہو۔شادی بیاہوں کے موقعے پر عورتوں کی آرائش و زیبائش میں بالعموم یہ دونوں ہی پہلو نمایاں ہوتے ہیں۔

بیوٹی پارلر کا کاروبار حرام ہے

اس اعتبار سے بیوٹی پارلروں کے ذریعے سے عورتوں میں حسن و جمال اور آرائش و زیبائش کے جو طور طریقے سکھائے جا رہے ہیں اور عورتیں انہیں اختیار کر رہی ہیں، جیسے بالوں کے نئے نئے اسٹائل، بناؤ سنگھار کے ذریعے سے عورت کے حلیے کو بدل دینا، سیاہ فام کو سفید فام اور سفید فام کے رنگ و روغن کو مزید نکھار دینا، ابروؤں کے بالوں کو اکھیڑ کر ان میں سرمہ، روشنائی یا اور اسی قسم کی چیزیں بھرنا، یہ سب کام ممنوع اور حرام ہیں، کیونکہ انہیں لعنتی کام کہا گیا ہے۔ جن کے بارے میں اتنی سخت وعید ہو، ان کے جواز کی گنجائش کہاں نکل سکتی ہے؟ اس لیے جس طرح مذکورہ کام حرام ہیں، اسی طرح بیوٹی پارلر کا کاروبار بھی حرام ہے کیونکہ ان میں مذکورہ حرام کام ہی کیے جاتے ہیں یا پھر ان میں مذکورہ چیزوں کی تربیت دی جاتی ہے۔

ایک حدیث میں ہے:

أَنَّ امْرَأَةً قَالَتْ يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّ لِي ضَرَّةً فَهَلْ عَلَيَّ جُنَاحٌ إِنْ تَشَبَّعْتُ مِنْ زَوْجِي غَيْرَ الَّذِي يُعْطِينِي فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ الْمُتَشَبِّعُ بِمَا لَمْ يُعْطَ كَلَابِسِ ثَوْبَيْ زُورٍ

”ایک عورت نے کہا: اے اللہ کے رسول! میری ایک سوکن ہے، اگر میں اس کے سامنے کسی چیز کی بابت یہ ظاہر کروں کہ یہ مجھے میرے خاوند نے دی ہے جب کہ وہ چیز اُس نے مجھے نہ دی ہو، تو کیا اس سے مجھ پر گناہ ہو گا؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو کوئی ایسے ظاہر کرے کہ یہ چیز، میری ہے (یا مجھے دی گئی ہے) حالانکہ (وہ اس کی نہ ہو) نہ اس کو دی گئی ہو، اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جو مکر و فریب کے دو کپڑے پہنے ہو۔“ (صحیح بخاری، کتاب النکاح)

وضاحت: اس حدیث سے جہاں یہ واضح ہوتا ہے کہ ایک شخص کی دو بیویوں کو آپس میں ایک دوسرے کو جلانے کے لیے (سوکناپے میں) جھوٹ بول کر یہ تاثر دینا منع ہے کہ اس کا خاوند (دوسری بیوی کے مقابلے میں) اس پر زیادہ مہربان ہے اور اِس کو اُس نے فلاں چیز لا کر دی ہے جب کہ خاوند کا کردار ایسا نامنصفانہ نہ ہو۔ اس ممانعت سے مقصود جہاں جھوٹی شان و شوکت کے اظہار سے روکنا ہے، وہاں آپس میں فساد اور بگاڑ کا سدباب بھی ہے۔

نبی ﷺ نے اس ممانعت کو جس بلیغ طریقے اور ایک تمثیلی انداز سے بیان فرمایا ہے، اس نے اس ممانعت کے مفہوم میں بڑی وسعت پیدا کر دی ہے جس نے مکر و فریب کی ساری صورتوں اور جھوٹے وقار کے سارے طور طریقوں کو اپنے دامن میں سمیٹ لیا ہے۔

ہماری شادی بیاہوں میں اس جھوٹے وقار کا بھی عام مظاہرہ کیا جاتا ہے۔ مثلاً کسی عورت کے پاس زیادہ زیور نہیں ہوتا تو وہ شادی میں شرکت کرنے کے لیے مانگے تانگے کا زیور پہن کر جھوٹے وقار (یعنی خلافِ واقعہ اپنی امارت) کا اظہار کرتی ہے۔ حتیٰ کہ بعض دفعہ دلہن کو بھی مانگے تانگے کا زیور پہنا کر یہ غلط تاثر دیا جاتا ہے کہ لڑکے والوں نے دلہن کے لیے اتنا زیور تیار کیا ہے، حالانکہ ایسا نہیں ہوتا اور دو تین دن کے بعد وہ زیور دلہن سے لے کر اصل مالکوں کو دے دیا جاتا ہے۔ یہ جھوٹی کاروائی بھی فساد اور بگاڑ کا سبب بنتی ہے۔

اور اب تو سونے کے بجائے مصنوعی زیورات نکل آئے ہیں جو دیکھنے میں بالکل سونے کے معلوم ہوتے ہیں اور ان کی مالیت چند سیکڑے ہوتی ہے جبکہ سونے کے اصل زیورات کی مالیت اب لاکھوں میں ہے۔ دھوکہ دہی کی یہ صورت بھی اب اختیار کی جانے لگی ہے، بعد میں جب حقیقت حال سامنے آتی ہے تو یہ ملمع سازی بھی فساد ہی کا باعث بنتی ہے۔

اس حدیثِ رسول کی رو سے ملمع سازی اور فریب کاری کی ایسی ساری صورتیں ناروا قرار پاتی ہیں، مانگے تانگے کا زیور پہن یا پہنا کر جھوٹی شان و شوکت کا اظہار یا آرٹی فشل کے زیورات کا استعمال یہ باور کرا کر کہ یہ سونے ہی کے زیورات ہیں۔ یہ سب ناجائز، ممنوع ہیں اور فساد و بگاڑ کا باعث ہیں۔

دکھلاوے اور نمود و نمائش کی ضرورت کیوں پیش آتی ہے؟

مکر و فریب کی یہ ضرورت کیوں پیش آتی ہے؟ اس لیے کہ شادیوں میں دیگر بہت سی خرافات کے ساتھ ساتھ سونے کے زیورات کو بھی ایک لازمی حصہ بنا دیا گیا ہے جب کہ ہماری شریعت میں ان رسومات، فضول خرچی، ناروا بوجھ اور نمود و نمائش کی قطعاً

اجازت نہیں ہے۔ اس کا حل بھی اس کے سوا کوئی نہیں ہے کہ شادی کے اخراجات سے سونے کے زیورات کو بھی یکسر خارج قرار دیا جائے۔

سیدنا اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَا تَرَكْتُ بَعْدِي فِتْنَةً أَضَرَّ عَلَى الرِّجَالِ مِنْ النِّسَاءِ(صحیح بخاری:5096)

"میں نے اپنے بعد ایسا کوئی فتنہ نہیں چھوڑا، جو عورتوں سے زیادہ مردوں کے لیے نقصان دہ ہو۔"

وضاحت: یعنی مردوں کے لیے سب سے بڑا فتنہ عورتوں کا فتنہ ہو گا جو میرے بعد رونما ہو گا۔ حالانکہ عورت کا وجود انسان کے لیے راحت و آسائش اور امن وسکون کا باعث ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُم مِّنْ أَنفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُم مَّوَدَّةً وَرَحْمَةً﴾(سورۃ الروم:21)

"اللہ کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ اس نے تمہارے لیے تمہارے ہی نفسوں (جنس) سے بیویاں پیدا کیں تاکہ تم ان سے سکون حاصل کرو اور اس نے تمہارے درمیان محبت ورحمت پیدا کر دی۔"

علاوہ ازیں عورت کا وجود مرد کے لیے ناگزیر اور انسانی زندگی کے دو پہیوں میں ایک پہیہ ہے۔ اس کے باوجود اس کو مرد کے لیے سب سے زیادہ خطرناک فتنہ کیوں قرار دیا گیا ہے؟ اس کی وجہ مرد کی یہ کمزوری ہے کہ قوامیت (گھر کی سربراہی، حاکمیت اور نگرانی) کا مقام اللہ تعالیٰ نے مرد کو عطا کیا ہے، لیکن ایک تو اس نے عورت کو دینی تعلیم و تربیت سے آراستہ نہیں کیا۔ دوسرے، گھر میں اپنی قوامیت (حاکمیت) عورت کے سپرد کر کے خود محکومیت کا درجہ اپنے لیے پسند کر لیا، بالخصوص شادی بیاہ کے معاملات اور رسوم ورواج کی پابندی، فیشن پرستی اور اسراف و تبذیر کے مظاہر میں۔ ان تمام معاملات میں مردوں نے بے بسی بلکہ پسپائی اختیار کر لی ہے اور اپنے مردانہ اختیارات عورت کو دے دیے ہیں۔

شادی بیاہ میں وہی ہو گا جو شریعت سے بے پروا عورت کہے گی اور کرے گی، مرد کا کام غلام بے دام کی طرح صرف اس کے حکم کی بجا آوری ہے، حتیٰ کہ عورت کی خواہشات اور مطالبات پورے کرنے کے لیے اس کے پاس اگر وسائل بھی نہیں ہیں تو وہ رشوت لے گا، لوٹ کھسوٹ کرے گا۔ آمدنی کے دیگر حرام ذرائع اختیار کریگا، قرض لے گا، حتیٰ کہ سودی قرض لینے سے بھی گریز نہیں کرے گا، پھر ساری عمر قرض کے بوجھ تلے کراہتا رہے گا۔

علاوہ ازیں عورت اگر کہے گی تو بننے والے داماد کو سونے کی انگوٹھی پہنا کر اپنی بھی اور اُس کی بھی آخرت کی بربادی کا سامان کیا جائے گا، عورت کہے گی تو پورا ہفتہ ڈھولکی وغیرہ کے ذریعے سے اہل محلہ کی نیندیں خراب کی جائیں گی، عورت کہے گی تو مہندی کی رسم میں نوجوان بچیاں سرعام ناچیں گی۔ وعلی ہذا القیاس دیگر رسموں کا معاملہ ہے۔

ظاہر بات ہے کہ مرد کی اس پسپائی اور بے بسی میں اس کے لیے دنیا کی بربادی کا بھی سامان ہے اور آخرت کی ذلت و رسوائی بھی اس کا مقدر ہے۔ کیا ایک مسلمان کہلانے والے مرد کے لیے اس سے بھی بڑا فتنہ کوئی اور ہو سکتا ہے؟

«خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةَ»

کا یہی وہ فتنہ ہے جس کا اظہار زبانِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوا ہے۔

دین دار عورت دین داروں کے لیے فتنہ نہیں ہے!

عورت کا یہ فتنہ انہی لوگوں کے لیے ہے یا ان کے حق میں فتنہ ہے جنہوں نے اپنی مردانگی (قوامیت) سے دست بردار ہو کر اپنی باگ ڈور (زمام کار) عورت کے ہاتھ میں دے دی۔ لیکن جو لوگ اپنی قوامیت کو برقرار رکھتے ہیں اور عورت کو کسی بھی مرحلے پر شریعت کے دائرے سے نہیں نکلنے دیتے بلکہ اس کو پابندِ شریعت بنا کر رکھتے ہیں، عورت اُن کے لیے کسی بھی مرحلے پر فتنہ ثابت نہیں ہوتی بلکہ ان کی خیر خواہ، معاون اور ہر اچھے کام میں ان کا دست وبازو اور سراپا خیر ورحمت ہوتی ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایسی نیک عورت کو دنیا کی بہترین متاع قرار دیا ہے۔ فرمایا:

«الدُّنْيَا مَتَاعٌ ، وَخَيْرُ مَتَاعِ الدُّنْيَا الْمَرْأَةُ الصَّالِحَةُ» صحیح مسلم، کتاب الرضاع)

"دنیا ایک پونجی ہے اور دنیا کی سب سے بہتر پونجی نیک عورت (بیوی) ہے۔"

ایک دوسری حدیث میں نیک عورت کی خصلتیں بیان فرمائی ہیں۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں:

سُئِلَ رَسُولُ اللهِ ﷺ أَيُّ النِّسَاءِ خَيْرٌ؟ قَالَ: الَّذِي تَسُرُّهُ إِذَا نَظَرَ، وَتُطِيعُهُ إِذَا أَمَرَ، وَلَا تُخَالِفُهُ فِيمَا يَكْرَهُ فِي نَفسِهَا وَمَالِهِ

(سنن النسائی، کتاب النکاح، باب أی النساء خیر)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا: کون سی عورت بہتر ہے؟ آپ نے فرمایا: وہ عورت (بیوی) سب سے بہتر ہے جب خاوند اس کی طرف دیکھے تو وہ خوش کن نظر سے اُسے دیکھے۔ جب خاوند اسے کسی بات کا حکم دے، تو اسے بجالائے اور وہ (عورت) اپنے نفس اور خاوند کے مال میں اس کی خواہش کے برعکس ایسا رویہ اختیار نہ کرے جو اُس کے خاوند کو ناپسند ہو۔"

قرآنِ مجید میں بھی نیک عورتوں کے لیے " قَانِتَات" کا لفظ استعمال ہوا ہے:

﴿فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ﴾(سورۃ النساء:34)

نیک عورتیں قانتات ہیں۔

’قانتات‘ کا مطلب ہے: فرماں بردار، اللہ کی بھی اور خاوند کی بھی!

اس وضاحت سے مقصود یہ ہے کہ نبی ﷺ نے عورت کو مردوں کے لیے جو نہایت خطرناک فتنہ قرار دیا ہے جس کے شواہد آج ہم دیکھ رہے ہیں، یہ وہ عورتیں ہیں جو شرعی حدود و قیود سے آزاد ہیں، اور اُن کے مرد بھی اپنی غلامانہ ذہنیت اور خود بھی دین سے دور ہونے کی وجہ سے اِن عورتوں کو روکنے ٹوکنے اور ان کو راہِ راست پر رکھنے کی ہمت نہیں رکھتے۔

لیکن جن مردوں کی عورتیں دین دار اور دین کی پابند ہیں، اور وہ دینی اقدار و روایات کی بالا دستی میں اپنے خاوندوں کی مددگار ہوتی ہیں، وہ فتنہ نہیں ہیں، وہ سراپا خیر و برکت ہیں۔ اسی لیے ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ شادی کرتے وقت دیگر دنیاوی ترجیحات کے مقابلے میں دین دار عورت کا انتخاب کرو۔ تاکہ وہ زندگی کے ہر موڑ پر اور ہر معاملے میں شریعت کے احکام کو بروئے کار لانے میں مرد کا ساتھ دے، اس کی مخالفت اور اپنی من مانی نہ کرے۔

الغرض شادی بیاہوں کی مذکورہ رسومات اور ان کی حشر سامانیوں سے بچنے کے لیے نہایت ضروری ہے کہ دین سے ہماری وابستگی برائے نام نہ ہو بلکہ حقیقی ہو اور ہماری خواتین بھی دینی اقدار و روایات کی پابند اور اس کا صحیح نمونہ ہوں جس کا مظاہرہ شادی بیاہ کی تقریبات میں واضح طور ہو۔ وہ شادی کی تقریب اپنے ہی کسی بچے یا بچی کی ہو یا خاندان کے کسی اور گھرانے کی، دیکھنے والے دیکھیں کہ یہ شادی واقعی کسی دین دار خاندان کی ہے یا اس میں شریک ہونے والی خواتین واقعی دین دار، پردے کی پابند، شریعت کی پاس دار اور سادگی کا پیکر ہیں:

﴿وَفِي ذَٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُونَ﴾

”سبقت لے جانے والوں کو اسی میں سبقت کرنی چاہیے۔“(سورۃ المطففین:26)

شادی کے موقعے پر دف بجانے کی شرعی حیثیت

شادی کے مروجہ رسموں میں خوشی کے شادیانے بجانے بھی ہیں، جس کی کئی صورتیں رائج ہیں۔

مثلاً، شادی سے قبل کئی دن تک محلے کی اور قریبی رشتے داروں کی نوجوان لڑکیاں اور عورتیں شادی والے گھر میں راتوں کو گھنٹوں ڈھولکیاں بجاتی اور گانے گاتی ہیں جس سے اہل محلہ کی نیندیں خراب ہوتی ہیں۔

دوسرے نمبر پر برات کے ساتھ بینڈ باجہ کا اہتمام کیا جاتا ہے جس میں فلمی گانوں کی دھنوں پر ساز و آواز کا جادو جگایا جاتا ہے اور اب منگنی کے موقعے پر بھی ایسا کیا جانے لگا ہے۔

تیسرے نمبر پر بہت سے لوگ میوزیکل شو کا اہتمام کرتے ہیں جس میں ناچنے گانے والی پیشہ ور عورتیں اور مرد حصہ لیتے ہیں، جس میں بے حیائی پر مبنی حرکتوں اور بازاری عشقیہ گانوں سے لوگوں کو محظوظ کر کے ان کے ایمان و اخلاق کو برباد کیا جاتا ہے۔

چوتھے نمبر پر شادی ہال نکاح اور ولیمے کی تقریبات میں اوّل سے آخر تک میوزک کی دھنوں سے گونجتا رہتا ہے اور اس طرح نکاح اور ولیمے کی بابرکت تقریبات بھی شیطان کی آماج گاہ بنی رہتی ہے۔

ان تمام خرافات اور شیطانی رسومات و حرکات کے جواز کے لیے ان احادیث سے استدلال کیا جاتا ہے جن میں شادی اور عید یعنی خوشی کے موقعے پر چھوٹی بچیوں کو دف بجانے اور قومی مفاخر پر مبنی نغمے اور ملی ترانے گانے کی اجازت دی گئی ہے۔

جیسے سیدہ ربیع بنت معوذ بیان کرتی ہیں کہ جب میری رخصتی عمل میں آئی تو رسول اللہ ﷺ میرے پاس تشریف لائے اور میرے پاس اس طرح آکر بیٹھ گئے جیسے تو میرے پاس بیٹھا ہے (راوی سے خطاب ہے)۔ تب چھوٹی بچیاں (خوشی کے طور پر) دف بجا کر شہدائے بدر کا مرثیہ پڑھنے لگیں۔ اچانک ان میں سے ایک بچی نے کہا:

"وَفِينَا نَبِيٌّ يَعْلَمُ مَا فِي غَدٍ."(صحیح البخاری)

ہمارے اندر ایسے نبی ہیں جو کل کی بات جانتے ہیں۔

نبی ﷺ نے سن کر فرمایا:

«دَعِي هَذِهِ وَقُولِي بِالَّذِي كُنْتِ تَقُولِينَ»

اس کو چھوڑ اور وہی کہہ جو پہلے کہہ رہی تھی۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم (چھوٹے، بڑے سب) صحیح العقیدہ تھے۔ اس لیے بچی کے مذکورہ قول کا مطلب یہ نہیں تھا کہ اس میں نبی ﷺ کی بابت عقیدۂ علم غیب کا اظہار تھا بلکہ آپ کی رسالت کا اظہار تھا کہ رسول پر وحی کا نزول ہوتا ہے جس میں اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر کو اپنے احکام سے بھی مطلع فرماتا ہے اور آئندہ آنے والے واقعات سے بھی بعض دفعہ باخبر کر دیتا ہے۔

بچی کے شعری مصرعے کا مطلب اسی وحیِ الٰہی کا اثبات تھا، پھر بھی رسول اللہ ﷺ نے اس کو اس طرح کہنے سے روک دیا کہ مبادا بعد کے لوگ بدعقیدگی کا شکار ہو جائیں۔ علاوہ ازیں ایک دوسری روایت میں صراحتاً بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«وَلَا يَعْلَمُ مَا فِيْ غَدٍ اِلَّا اللهُ»

طبرانی، بحوالہ ”آداب الزفاف“ للألبانی، ص:95

کل کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں۔

بہرحال اس واقعے سے خوشی کے موقعے پر چھوٹی بچیوں کا اشعار پڑھ کر اظہارِ مسرت کرنے کا اثبات ہوتا ہے۔

عہد نبوی کا ایک دوسرا واقعہ ہے، ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک لڑکی کو نکاح کے بعد شبِ زفاف کے لیے تیار کر کے اس کے خاوند (ایک انصاری

مرد) کے پاس بھیجا۔ رسول اللہ ﷺ نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا: تمہارے پاس لہو نہیں ہے؟

«مَا كَانَ مَعَكُمْ لَهْوٌ؟» ”انصار کو لہو پسند ہے۔“

«فَإِنَّ الْأَنْصَارَ يُعْجِبُهُمْ اللَّهْوُ» (صحیح بخاری)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں، ایک دوسری روایت میں مَا كَانَ مَعَكُمْ لَهْوٌ کی جگہ الفاظ ہیں:

فَهَلْ بَعَثْتُمْ مَعَها جَارِيَةً تَضْرِبُ بِالدُّفِّ وَتُغَنِّي

”کیا تم نے اس کے ساتھ کوئی بچی (یا لونڈی) بھیجی ہے جو دف بجا کر اور گا کر خوشی کا اظہار کرتی۔“

اسی طرح:

«فَإِنَّ الْأَنْصَارَ يُعْجِبُهُمُ اللَّهْو»

کی جگہ دوسری روایت میں ہے:

«قَوْمٌ فِيهِمْ غَزَلٌ»

(فتح الباری، کتاب النکاح، تحت حدیث مذکور: 9/282)

انصاریوں میں شعر و شاعری کا چرچا ہے۔

اس دوسری روایت کے الفاظ سے پہلی روایت میں وارد لفظ لَہو کی وضاحت ہو جاتی ہے کہ واقعہ مذکورہ میں اس سے مراد چھوٹی بچی کا دف بجانا اور قومی گانا گا کر اظہارِ مسرت کرنا ہے۔

محمد بن حاطب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«فَصْلُ مَا بَيْنَ الْحَلَالِ وَالْحَرَامِ الدُّفُّ وَالصَّوْتُ فِي النِّكَاحِ» (سنن نسائی)

”حرام اور حلال کے درمیان فرق کرنے والی چیز دف بجانا اور نکاح میں آواز بلند کرنا ہے۔“

ایک اور واقعہ احادیث میں بیان ہوا ہے، عامر بن سعد رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک شادی میں گیا، وہاں دو صحابیٔ رسول جناب قرظہ بن کعب اور ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہما بھی تھے۔ میں نے دیکھا کہ وہاں چھوٹی بچیاں گانا گا رہی ہیں۔ میں نے دونوں صحابیوں سے کہا: تم دونوں اصحابِ رسول اور اہل بدر (جنگ بدر کے شرکا) میں سے ہو، تمہاری موجودگی میں یہ کیا ہو رہا ہے؟ اُنہوں نے فرمایا:

شادی کے موقعے پر ہمیں ”لَہو“ (چھوٹی بچیوں کے قومی گیت وغیرہ گا کر اظہار مسرت کرنے) کی رخصت دی گئی ہے، تمہارا جی چاہتا ہے تو سنو، جانا چاہتے ہو تو تمہاری مرضی ہے۔ (سنن نسائی)

مذکورہ روایات سے کیا ثابت ہوتا ہے؟

ان احادیث سے دو باتوں کا اثبات ہوتا ہے۔ ایک دف بجانے کا اور دوسرے، ایسے گیتوں اور شعروں کے گانے اور پڑھنے کا جن میں خاندانی شرف و نجابت کا اور آباء و اجداد کے قومی مفاخر کا تذکرہ ہو، لیکن ساری متعلقہ احادیث سے ان دونوں باتوں کی جو نوعیت معلوم ہوتی ہے، اسکا خلاصہ ذیل میں ہے:

خاص موقعوں پر دف بجایا جا سکتا اور قومی گیت گایا جا سکتا ہے، جیسے شادی بیاہ کے موقعے پر یا عید وغیرہ پر، جس کا مقصد نکاح کا اعلان کرنا اور خوشی کا اظہار کرنا ہے، تاکہ شادی خفیہ نہ رہے۔ اسی لیے یہ حکم بھی دیا گیا ہے: «اَعْلِنُوْا النِّكَاحَ» (صحیح ابن حبان: 1285۔ آداب الزفاف، ص: 97) ”نکاح کا اعلان کرو۔“

یعنی علانیہ نکاح کرو، خفیہ نہ کرو۔ اس حکم سے مقصود خفیہ نکاحوں کا سدباب ہے جیسے آج کل ولی کی اجازت کے بغیر خفیہ نکاح بصورت لو میرج، سیکرٹ میرج اور کورٹ میرج کیے جا رہے ہیں، عدالتیں اور فقہی جمود میں مبتلا علما ان کو سند جواز دے رہے ہیں حالانکہ احادیث کی رو سے یہ سب نکاح باطل ہیں، یہ نکاح منعقد ہی نہیں ہوتے۔

یہ کام صرف چھوٹی یعنی نابالغ بچیاں کر سکتی ہیں، بالغ عورتوں کو ان کاموں کی اجازت نہیں ہے اور نہ مردوں ہی کو اس کی اجازت ہے۔

یہ کام نہایت محدود پیمانے پر ہو۔ محلے کی یا خاندان اور قبیلے کی بچیوں کو دعوت دے کر جمع نہ کیا جائے۔

اور سب سے اہم بات یہ کہ ان کاموں کی صرف اجازت ہے، ان کی حیثیت فرض و واجب اور امر لازم کی نہیں ہے۔ جیسے مذکورہ دو صحابیوں کے واقعے میں ہے: "قَدْ رُخِّصَ لَنَا فِي اللَّهْوِ عِنْدَ الْعُرْسِ." ”ہمیں شادی کے موقعے پر لَہو کی رخصت دی گئی ہے۔“

اور یہ مسلمہ اُصول ہے کہ ایک جائز کام، حدود و ضوابط کے دائرے میں نہ رہے اور اس کا ارتکاب بہت سے محرمات و منہیات تک پہنچا دے تو ایسی صورتوں میں وہ جائز کام بھی ناجائز اور حرام قرار پائے گا۔

موجودہ حالات میں اظہارِ مسرت کا مذکورہ جائز طریقہ، ناجائز اور حرام ہے۔

اس وقت مسلمانوں کی اپنے مذہب سے وابستگی اور اس پر عمل کرنے کی جو صورت حال ہے، وہ کسی سے مخفی نہیں ہے۔ اس لیے شادی بیاہ کے موقعوں پر وہ اللہ و رسول کے احکام کو بالکل پس پشت ڈال دیتے ہیں اور محرمات و منہیات کا نہایت دیدہ دلیری سے ارتکاب کرتے ہیں۔ یہ مہندی کی رسم اور اس میں نوجوان بچیوں کا سرعام ناچنا گانا، ویڈیو اور مووی فلمیں بنانا، بے پردگی اور بے حیائی کا ارتکاب، بینڈ باجے، میوزیکل دھنیں اور میوزیکل شو، آتش بازی وغیرہ۔ یہ سب کیا ہیں؟ یہ سب غیروں کی نقالی اور اسلامی تہذیب و روایات کے یکسر خلاف ہیں۔ اسلام سے ان کا نہ کوئی تعلق ہے اور نہ ہو ہی سکتا ہے۔

یہ صورت حال اس امر کی تائید کرتی ہے کہ موجودہ حالات میں دف بجانے اور قومی گیت گانے سے بھی احتراز کرنا چاہئے، کیونکہ کوئی بھی شریعت کی بتائی ہوئی حد تک محدود نہیں رہتا اور محرمات تک پہنچے بغیر کسی کی تسلی نہیں ہوتی۔ بنا بریں اسلام کے مسلمہ

اصول سدًّاللذریعۃ کے تحت یہ جائز کام بھی اس وقت ممنوع ہی قرار پائے گا جب تک قوم اپنی اصلاح کرکے شریعت کی پابند نہ ہو جائے اور شریعت کی حد سے تجاوز کرنے کی عادت اور معمول کو ترک نہ کر دے۔

کیا غیر شرعی شادیوں کا بائیکاٹ صحیح نہیں ہے؟

لوگ کہتے ہیں کہ جن شادیوں میں غیر شرعی حرکتیں ہوتی ہیں، تو ان کو خاموشی سے برداشت کر لینا چاہیے اور ان رسومات کی وجہ سے بائیکاٹ نہیں کرنا چاہیے۔ اس سے رشتے داریاں ٹوٹ جاتی ہیں، بہن بھائی، عزیز واقارب ناراض ہو جاتے ہیں وغیرہ وغیرہ

یہ ٹھیک ہے کہ صلہ رحمی (رشتے داریوں کو قائم رکھنے) کی تاکید ہے اور قطع رحمی (رشتے توڑ دینے) پر بڑی سخت وعید ہے، لیکن اس حکم کا تعلق دنیوی معاملات سے ہے یعنی دنیوی معاملات میں کتنی بھی تلخی، کشیدگی، ناراضی ہو جائے اسے طول نہیں دینا چاہیے اور نہ ان کی وجہ سے بول چال اور تعلق منقطع کرنے کی اجازت ہے اور اگر جذبات میں زیادہ شدت ہو تو تین دن تک تعلق منقطع کرنے کی رخصت ہے، اس کے بعد صلح کر لینی اور بات چیت شروع کر دینی چاہیے۔ تین دن سے زیادہ کسی مسلمان بھائی سے تعلق منقطع کیے رکھنے کی اجازت نہیں ہے لیکن جہاں تک دین کا تعلق ہے، دینی احکام وشعائر اور دینی اقدار وروایات کے احترام اور ان پر عمل کرنے کا معاملہ ہے یہ دنیوی معاملات سے یکسر الگ ہے، دین، دنیا کی ہر چیز سے زیادہ محترم اور ہر تعلق سے زیادہ بالا ہے۔ اس کے احترام اور بالادستی پر ہر چیز کو قربان کیا جا سکتا ہے بلکہ کیا جانا ضروری ہے، یہی ایمانی غیرت اور دینی حمیت کا تقاضا ہے، جو لوگ کہتے ہیں کہ شادی بیاہوں میں ساری شیطانی حرکتوں اور جاہلی رسومات کے باوجود ان کا بائیکاٹ کرنا صحیح نہیں ہے ان میں شریک ہی رہنا چاہیے، ان کے اندر نہ دین کی حمیت وغیرت ہے اور نہ دین اسلام کا صحیح شعور، وہ اسوۂ رسول ﷺ سے بھی بے خبر ہیں اور صحابہؓ کرام کی دینی غیرت سے بھی لا علم۔ ذرا نبی ﷺ کا اسوۂ حسنہ دیکھیے!

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: انہوں نے ایک تصویروں والا گدا خریدا، جب رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور گھر میں اندر داخل ہونے لگے تو دروازے سے ہی اس گدے پر نظر پڑ گئی تو آپ دروازے ہی پر کھڑے ہو گئے، اندر داخل نہیں ہوئے، (سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں) میں نے آپ کے چہرے پر ناگواری کے اثرات دیکھے تو میں نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ میں بارگاہ الٰہی میں توبہ کرتی ہوں اور آپ سے بھی معافی کی خواست گار ہوں، مجھ سے کیا غلطی صادر ہو گئی ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ گدا کیا ہے؟

میں نے کہا: یہ میں نے آپ کے لیے خریدا ہے تاکہ آپ اس پر بیٹھا کریں اور اس کو بطور تکیہ استعمال کر لیا کریں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"ان تصویر والوں کو قیامت کے دن عذاب دیا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا، تم نے جو یہ تصویریں بنائی تھیں، ان میں جان ڈال کر ان کو زندہ کرو" مزید فرمایا: «إِنَّ الْبَيْتَ الَّذِي فِيهِ الصُّوَرُ لَا تَدْخُلُهُ الْمَلَائِكَةُ» (صحیح البخاری)

"جس گھر میں تصویریں ہوں، اس میں (رحمت کے) فرشتے داخل نہیں ہوتے۔"

جب اللہ کے رسول کا اسوۂ حسنہ، جو مسلمانوں کے لیے واجب الاتباع ہے یہ ہے کہ جہاں آپ کو تصویریں نظر آئیں، وہاں آپ نے داخل ہونا پسند نہیں فرمایا تو جن اجتماعات میں بینڈ باجے بج رہے ہوں، مردوزن کا مخلوط اجتماع ہو، عورتوں نے شرم وحیا کے سارے حجابات اتار پھینک دیئے ہوں، ان کی موویاں بن رہی ہوں۔ ایسے شیطانی اجتماعات میں شریک ہونا اور شریک رہنا ایک مسلمان مرد اور عورت کے لیے کیسے جائز ہو سکتا ہے؟

رہا مسئلہ ایسی خرافات کا ارتکاب کرنے والوں کے بائیکاٹ کا تو اس کا اثبات اگرچہ رسول اللہ ﷺ کے اس واقعے سے بھی یقیناً ہو جاتا ہے لیکن ہم دو صحابیوں کی ایمانی غیرت کے بھی دو واقعے اس موقع پر بیان کرنا مناسب سمجھتے ہیں تاکہ مزید وضاحت ہو جائے کہ صحابۂ کرام نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرنے والوں کے ساتھ کتنا سخت رویہ اختیار فرمایا اور رشتوں کو قطعاً کوئی اہمیت نہیں دی۔

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے یہ حدیث بیان فرمائی کہ عورتوں کو مسجدوں میں جا کر نماز پڑھنے سے مت روکو! تو ان کے بیٹے بلال نے کہا: ہم تو عورتوں کو مسجدوں میں جانے سے روکیں گے تاکہ فساد پیدا نہ ہو، یہ سن کر سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سخت غضب ناک ہوئے اور ان کو اتنا برا بھلا کہا کہ کبھی کسی کو اتنا برا بھلا نہ کہا، اور فرمایا: میں تجھے رسول اللہ ﷺ کا فرمان سنا رہا ہوں اور تو اس کے مقابلے میں کہتا ہے کہ ہم عورتوں کو مسجدوں میں جانے سے روکیں گے۔ (صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ:442)

یہی روایت مسند احمد میں بھی ہے، جس میں یہ اضافہ بھی ہے: «فَمَا كَلَّمَهُ عَبْدُ اللهِ حَتَّى مَاتَ» (مشکوۃ، کتاب الصلوۃ باب الجماعۃ وفضلھا، ح1084، وقال الالبانی رحمہ اللہ: وسندہ صحیح)

"سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنے اس بیٹے سے ساری عمر کلام نہیں کیا حتی کہ فوت ہو گئے۔"

اسی طرح کا ایک واقعہ سیدنا عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کا ہے، ان کا ایک قریبی عزیز (بھتیجا) انگلی سے کنکری پھینک رہا تھا، عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ نے اسے اس

سے روکا کہ نبی ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے، اس کے باوجود وہ باز نہیں آیا تو انہوں نے اس سے فرمایا: میں تجھے رسول اللہ ﷺ کی حدیث سنا رہا ہوں کہ اس سے آپ نے منع فرمایا ہے اور تو پھر بھی کنکری مار رہا ہے؟

«لَا أُكَلِّمُكَ أَبَدًا» (صحیح مسلم)

"میں تجھ سے کبھی کلام نہیں کروں گا۔"

اللہ کی ناراضی یا لوگوں کی ناراضی، کس سے بچنا ضروری ہے؟

دو حدیثیں اور ملاحظہ فرمائیں جو نہایت فیصلہ کن ہیں بشرطیکہ دل میں ایمان کی حرارت اور اللہ کا خوف ہو؟ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «مَنْ أَرْضَى اللّٰهَ بِسَخَطِ النَّاسِ كَفَاهُ اللّٰهُ النَّاسَ، وَمَنْ أَسْخَطَ اللّٰهَ بِرِضَى النَّاسِ وَكَلَهُ اللّٰهُ إِلَى النَّاسِ» (الصحیحۃ للألبانی: 5/392: 2311)

"جس نے اللہ کو راضی کر لیا، چاہے لوگ ناراض ہو گئے ہوں اللہ اس کو لوگوں سے کافی ہو جائے گا اور جس نے لوگوں کو راضی کرنے کے لیے اللہ کو ناراض کر لیا، اللہ اس کو لوگوں ہی کے حوالے کر دے گا۔"

2۔ کمال ایمان کے لئے بھی بائیکاٹ کر کے نفرت کا اظہار ضروری ہے۔ سیدنا ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ أَحَبَّ لِلّٰهِ، وَأَبْغَضَ لِلّٰهِ، وَأَعْطَى لِلّٰهِ، وَمَنَعَ لِلّٰهِ فَقَدِ اسْتَكْمَلَ الْإِيمَانَ»

(طبرانی فی الکبیر: 8/208؛ سنن ابی داؤد کتاب السنۃ)

"جس نے (کسی سے) اللہ کیلئے محبت رکھی اور اللہ ہی کیلئے نفرت رکھی، اللہ ہی کیلئے (کسی کو کچھ) دیا اور اللہ ہی کے لیے انکار کیا، اس نے اپنا ایمان مکمل کر لیا۔"

وضاحت: کسی نیک آدمی سے اس کی نیکی اور تقوی کی وجہ سے، کسی عالم دین سے اس کی حق گوئی اور حق پرستی کی وجہ سے، کسی صداقت شعار آدمی سے اس کی صداقت اور راست بازی کی وجہ سے محبت رکھنا اللہ کے لیے محبت ہے کیونکہ ان خوبیوں کو اپنانے کا اللہ نے حکم دیا ہے اور ان کے اختیار کرنے والوں سے اللہ تعالیٰ بھی محبت رکھتا ہے اور جو اللہ کے حکموں کو پامال کرتا ہے، اللہ اس سے ناراض ہوتا ہے تو ایسے لوگوں سے نفرت اور ناراضی کا اظہار کرنا، اللہ کے لیے نفرت کا اظہار ہے جو اللہ کو پسند ہے، اسی طرح کسی ضرورت مند صاحب ایمان کو اللہ کی رضا کے لیے دینا اللہ کے لیے دینا ہے جس سے اللہ خوش ہوتا ہے اور کسی بدکردار کو دینے سے انکار کر دینا، اللہ کے لیے انکار ہے، یہ سب کچھ اللہ ہی کے لئے کرنا کمال ایمان ہے اور اس کے برعکس رویہ ایمان کے منافی ہے۔

مذکورہ احادیث کی روشنی میں بہ آسانی فیصلہ کیا جاسکتا ہے کہ زیر بحث قسم کی شادیوں میں شریک ہونا اور آخر وقت تک شریک رہنا، ایک مسلمان کے شایان شان اور اللہ کے ہاں پسندیدہ ہے یا ان کا بائیکاٹ کرنا شیوۂ مسلمانی اور عند اللہ پسندیدہ ہے؟ ہر شخص آخرت کی جواب دہی کا احساس اور فکر کرتے ہوئے، اگر آخرت پر اس کا یقین ہے، جواب سوچ لے اور اس کے مطابق فیصلہ کر لے۔

ہم نیک و بد حضور کو سمجھائے جاتے ہیں
مانو نہ مانو! جان جہاں اختیار ہے
آئینہ دیکھ کر برا نہ منایئے! اصلاح کیجئے!

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «الْمُؤْمِنُ مِرْآةُ الْمُؤْمِنِ» (سنن ابی داؤد) "مومن، مومن کا آئینہ ہے۔"

آئینے کا کام کیا ہے؟ وہ انسان کے چہرے اور رنگ روپ کو بالکل اس طرح دکھاتا ہے، جس طرح وہ ہوتا ہے، اس میں نہ آئینے کا کوئی نقص ہے اور نہ آئینہ دکھلانے والے کی غلطی، اس لیے بیان کردہ رسومات اور اس میں ہمارے عمل اور رویے کی تفصیلات، ایک آئینہ ہے جو ایک مومن بھائی نے دوسرے مومن بھائیوں اور بہنوں کو دکھلایا ہے جس سے مقصود اصلاح اور خیر خواہی کے سوا کچھ نہیں۔

بنابریں آئینہ ان کو دکھلایا تو برا مان گئے۔ والا طرز عمل اختیار کرنے کے بجائے اپنے رویوں کا جائزہ لے کر ان میں اصلاح اور تبدیلی کی کوشش کریں۔ وبید اللہ التوفیق

قرآن کریم میں اللہ کا حکم

اب تک جو گفتگو ہوئی، احادیث رسول اور آثار صحابہ کی روشنی میں تھی اب ذرا قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کے احکام بھی ملاحظہ فرمائیے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ أَنْ إِذَا سَمِعْتُمْ آيَاتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَأُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوا مَعَهُمْ حَتَّىٰ يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ ۚ إِنَّكُمْ إِذًا مِّثْلُهُمْ ۗ إِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنَافِقِينَ وَالْكَافِرِينَ فِي جَهَنَّمَ جَمِيعًا﴾

" اور اللہ تعالیٰ تمہارے پاس اپنی کتاب میں یہ حکم اتار چکا ہے کہ تم جب کسی مجلس والوں کو اللہ تعالیٰ کی آیتوں کے ساتھ کفر کرتے اور مذاق اڑاتے ہوئے سنو تو اس مجمع میں ان کے ساتھ نہ بیٹھو، جب تک کہ وہ اس کے علاوہ اور باتیں نہ کرنے لگیں، (ورنہ) تم بھی اس وقت انہی جیسے ہوگے، یقیناً اللہ تعالیٰ تمام کافروں اور سب منافقوں کو جہنم میں جمع کرنے والا ہے۔" (سورۃ النساء: 140)

یعنی جہاں اللہ کے احکام کا انکار یا ان کا مذاق اڑایا جاتا ہو تو اہل ایمان کو وہاں بیٹھنے (جانے یا اگر بے خبری میں چلے گئے ہیں تو بیٹھے رہنے) سے منع کیا جارہا ہے اور تنبیہ کی جارہی ہے کہ اگر تم منع کرنے کے باوجود

ایسی مجلسوں میں جاؤ گے یا وہاں بیٹھے رہو گے تو تم بھی گناہ اور نافرمانی میں ان کے برابر ہو گے۔

جیسے ایک حدیث میں آتا ہے، نبی ﷺ نے فرمایا: ”جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے، وہ اس دعوت میں شریک نہ ہو جس میں شراب کا دور چلے۔“ (مسند أحمد: 1/392-339)

اس سے معلوم ہوا کہ ایسی مجلسوں یا اجتماعات میں شریک ہونا جن میں اللہ رسول کے احکام کا قولاً یا عملاً انکار یا مذاق اڑایا جاتا ہو، جیسے آج کل اُمراء، فیشن ایبل اور مغرب زدہ حلقوں میں بالعموم ایسا ہوتا ہے یا شادی بیاہ کی تقریبات میں ایسا کیا جاتا ہے کیونکہ کھلم کھلا، علانیہ اللہ کی حرام کردہ چیزوں کا ارتکاب بھی دراصل اللہ کے احکام کا مذاق اڑانا ہی ہے۔ علاوہ ازیں ارتکاب کرنے والے اور خاموش تماشائی بن کر شرکت کرنے والے، دونوں جرم میں برابر کے گناہ گار ہیں، اسی لیے اللہ نے آیت میں یہ فرما کر ﴿إِنَّكُم إِذاً مِّثلُهم﴾ ” اس وقت تم بھی ان جیسے ہی ہو گے“ شرکت کرنے والوں کے لیے یہ کہنے کی گنجائش ہی نہیں چھوڑی کہ ہم کیا کرسکتے ہیں، ہم تو رشتے داری کی وجہ سے مجبور ہیں؟ ”ان جیسے ہی ہو گے“ کی وعید قرآنی اہل ایمان کے اندر کپکپی طاری کر دینے کے لیے کافی ہے، بشرطیکہ دل کے اندر ایمان ہو۔

اور یہ جو اللہ نے یہاں فرمایا ہے کہ ” اس نے یہ کتاب میں نازل کیا ہے“ یہ اس آیت کا حوالہ ہے جو اللہ نے اس سے قبل نازل فرمائی اور اس میں بھی یہی حکم فرمایا جو اس میں فرمایا ہے اور وہ آیت ہے:

﴿وَإِذَا رَأَيْتَ الَّذِينَ يَخُوضُونَ فِي آيَاتِنَا فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتَّىٰ يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ﴾ (سورۃ الأنعام: 68)

” اور جب آپ ان لوگوں کو دیکھیں جو ہماری آیات میں عیب جوئی کر رہے ہیں تو ان لوگوں سے کنارہ کش ہو جائیں یہاں تک کہ وہ کسی اور بات میں لگ جائیں۔“

آیت میں خطاب اگرچہ نبی ﷺ سے ہے لیکن مخاطب امت مسلمہ کا ہر فرد ہے، اور اسی طرح آیت میں اگرچہ ذکر اہل زیغ واہل ضلال اور ان کی مجالس میں بیٹھنے کی ممانعت کا ہے لیکن آیت کا حکم عام ہے جس میں ہر وہ مجلس شامل ہو گی جس میں اللہ رسول کے احکام کا زبان وبیان کے ذریعے سے یا عمل کے ذریعے سے انکار کیا یا مذاق اڑایا جا رہا ہو، عملی انکار یا مذاق میں شادی بیاہ کی وہ ساری تقریبات (مہندی، منگنی، بارات، ولیمہ وغیرہ) آجاتی ہیں جن میں غیر شرعی حرکات کا دھڑلے سے ارتکاب کیا جاتا ہے۔

أعاذنا الله منها

خیر امت ہونے کے لیے بھلائی کا حکم دینا، برائی سے روکنا ضروری ہے

دوسرے مقام پر اللہ نے فرمایا:

﴿كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ﴾ (سورۃ آل عمران: 110)

”تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لئے پیدا کی گئی ہے، کہ تم نیک باتوں کا حکم کرتے ہو، بری باتوں سے روکتے ہو اور اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو۔“

اس آیت میں ”امت مسلمہ“ کو ”خیر امت“ (بہترین امت) قرار دیا گیا ہے اور اس کی علت بھی بیان کر دی گئی ہے جو امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور ایمان باللہ ہے، گویا یہ امت اگر ان امتیازی خصوصیات سے متصف رہے گی تو ”بہترین امت“ ہے، بصورت دیگر اس امتیاز سے محروم قرار پاسکتی ہے (جیسے وہ اس وقت دنیا میں ہے) اس کے بعد قرآن کریم میں اہل کتاب کی مذمت سے بھی اسی نکتے کی وضاحت مقصود معلوم ہوتی ہے کہ جو امر بالمعروف ونہی عن المنکر نہیں کرے گا، وہ بھی اہل کتاب کے مشابہ قرار پائے گا، اہل کتاب کی صفت بیان کی گئی ہے۔

﴿كَانُوا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَن مُّنكَرٍ فَعَلُوهُ ۚ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ﴾ (سورۃ المائدۃ: 79)

” آپس میں ایک دوسرے کو برے کاموں سے جو وہ کرتے تھے روکتے نہ تھے جو کچھ بھی یہ کرتے تھے۔“

اور زیر تفسیر آیت میں ان کی اکثریت کو فاسق کہا گیا ہے، قرآن مجید میں اس سے قبل ایک اور آیت میں فرمایا گیا ہے۔

﴿وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾

” تم میں سے ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے جو بھلائی کی طرف بلائے اور نیک کاموں کا حکم دے اور برے کاموں سے روکے، اور یہی لوگ فلاح ونجات پانے والے ہیں۔“ (سورۃ آل عمران: 104)

”منکر“ (برائی) سے جس طرح شرک وبدعات، فسق وفجور اور دیگر نافرمانی والے کام مراد ہیں، اسی طرح وہ ساری رسومات وخرافات بھی داخل ہیں جو اسلام کی تعلیمات کے یکسر خلاف ہیں اور زیر بحث شادی کی رسومات اسی قبیل (قسم) سے ہیں۔ دوسرے، آیت میں (مِنکُم) کے ’مِن‘ کو تبعیضیہ قرار دے کر کہا جاتا ہے کہ اگر ایک گروہ (بعض لوگ) امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرلے گا تو سب کی طرف سے ادا ہو جائے گا یعنی یہ فریضہ فرض کفایہ ہے، لیکن آیت میں جو یہ کہا گیا ہے کہ ایسے لوگ ہی کامیاب ہیں، یہ الفاظ مقتضی ہیں کہ ”مِن“ کو ”تبیین“ کے لئے مانا جائے کیونکہ کامیابی تو ہر مسلمان کا مقصد ہے اور ہونا چاہیے۔ اس اعتبار سے یہ فریضہ ”فرض عین“ ہے یعنی ہر ہر فرد اپنے اپنے دائرے اور اپنی اپنی طاقت کے مطابق امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فرض ادا کرے۔ جیسے «بلغوا عني ولو آية» کے تحت ہر شخص تبلیغ کا ذمے دار ہے۔

واللہ اعلم بالصواب



مسجد اقصیٰ بیت المقدس کی فضیلت

زمانہ قدیم میں جس علاقے کو"شام" کہا جاتا تھا، وہ لبنان، فلسطین، اردن اور شام کی سرزمین پر مشتمل تھا، احادیث میں جس کی فضیلت ذکر فرمائی گئی ہے، اس سرزمین کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ یہاں کثرت سے انبیاء کرام کو مبعوث فرمایا گیا، نیز دیگر کئی علاقوں سے انبیاء کرام علیہم السلام نے ہجرت فرما کر اس علاقے کو اپنا مسکن بنایا، جن میں سے چند یہ ہیں:

سیدنا ابراھیم، سیدنا اسحاق، سیدنا یعقوب، سیدنا یوشع علیہم السلام، سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے تو اس سرزمین (بیت المقدس) پر اپنی موت کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائی تھی۔(صحیح بخاری:1339)

سیدنا داؤد، سیدنا سلیمان، سیدنا زکریا، سیدنا لوط، سیدنا یحیٰ، سیدنا عیسیٰ علیہم السلام، یہودیوں نے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کی سازشیں کی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں زندہ آسمان پر اٹھا لیا، اور ان کا دوبارہ نزول اسی سرزمین پر ہو گا۔ محمد رسول اللہ ﷺ کی پیدائش اور بعثت اگرچہ مکہ میں ہوئی لیکن معراج کے موقعہ پر آپ ﷺ کو اس مقدس سرزمین یعنی مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) کی سیر کرائی گئی جہاں آپ ﷺ نے تمام انبیاء کرام کی امامت فرمائی اور معراج کی ابتداء یہیں بیت المقدس (مسجد اقصیٰ) سے ہی ہوئی۔

مندرجہ ذیل آیات میں اللہ تعالیٰ نے اسی بابرکت زمین کا ذکر فرمایا ہے۔

بابرکت، مقدس اور پاک سرزمین

(1)﴿ سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَىٰ بِعَبْدِهِ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَى الَّذِي بَارَكْنَا حَوْلَهُ لِنُرِيَهُ مِنْ آيَاتِنَا ۚ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ﴾ (بنی اسرائیل:1)

اس اللہ کی ذات پاک ہے جو اپنے بندے (محمد ﷺ) کو ایک ہی رات میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا جس کے آس پاس (بھی) ہم نے (بڑی) برکت رکھی ہے تاکہ ہم اپنے بندے محمد ﷺ کو اپنی بعض نشانیاں دکھائیں بلاشبہ وہ اللہ سننے والا، دیکھنے والا ہے۔

نوٹ: اقصیٰ کا معنی دور دراز کا ہے چونکہ مسجد اقصیٰ مسجد الحرام اور (مسجد نبوی) سے کافی دور ہے اس لئے اسے یہ نام دیا گیا۔(تفسیر قرطبی 10/217)

(2)﴿ وَنَجَّيْنَاهُ وَلُوطًا إِلَى الْأَرْضِ الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا لِلْعَالَمِينَ ﴾ (سورۃ الانبیاء:71)

اور ہم ابراہیم اور لوط (علیہما السلام) کو ان (ظالموں) سے نجات دے کر ایسی زمین کی طرف لے کر آئے جس میں ہم نے جہان والوں کیلئے برکتیں کی ہیں۔

امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں :

"مهاجرا إلى بلاد الشام إلى الأرض المقدسة منها."

یعنی اللہ تعالیٰ نے ابراھیم علیہ السلام کو بلاد شام میں مقدس سرزمین (بیت المقدس) کی طرف ہجرت کا حکم دیا۔

3۔سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو حکم دیا:

﴿يَا قَوْمِ ادْخُلُوا الْأَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِي كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ ﴾ (المائدہ:21)

"اے میری قوم! اس مقدس (پاک) سرزمین میں داخل ہو جاؤ جو اللہ نے تمہارے لئے لکھ دی ہے۔"

یعنی یہ مقدس سرزمین موسیٰ علیہ السلام کو ماننے والے ایمان لانے والے، ادب واحترام کرنے والے لوگوں کیلئے ہے نہ کہ ان کیلئے جو بہت بڑے فتنہ گر، عہد شکنی کرنے والے، آسمانی کتب میں تحریف کرنے والے، حق کو چھپانے والے اور، انبیاء کی جماعت کے قاتل ہیں۔

اسی طرح آیت:﴿ وَإِذْ قُلْنَا ادْخُلُوا هَٰذِهِ الْقَرْيَةَ ﴾ (سورۃ البقرہ:58)

﴿اسْكُنُوا هَٰذِهِ الْقَرْيَةَ ﴾ (سورۃ الاعراف:161)

میں بھی بیت المقدس کا ذکر کیا گیا ہے۔(تفسیر ابن کثیر)

(4) ﴿وَلِسُلَيْمَانَ الرِّيحَ عَاصِفَةً تَجْرِي بِأَمْرِهِ إِلَى الْأَرْضِ الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا﴾ (سورۃ الانبیاء:81)

"اور سیدنا سلیمان (علیہ السلام) کیلئے ہم نے تند و تیز ہوا کو بھی تابع بنا دیا تھا جو ان کے حکم سے اس سرزمین (شام) کی طرف چلتی تھی جس میں ہم نے برکت رکھی تھی۔"

تفسیر طبری میں ہے:

"الأرض التى باركنا فيها، يعنى إلى الشام."

یعنی: اس بابرکت سرزمین سے مراد شام ہے۔

اسی طرح آیت:﴿ وَأَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِينَ كَانُوا يُسْتَضْعَفُونَ مَشَارِقَ الْأَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا﴾ (سورۃ الاعراف:137)

سے مفسرین نے یہی سرزمین مراد لی ہے۔

(6) کئی مفسرین آیت:﴿ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْقُرَى الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا قُرًى ظَاهِرَةً﴾

(سورۃ سبا:18)
میں مذکور بستیوں سے شام کی بستیاں مراد لیتے ہیں۔ (ابن کثیر، طبری)

(7) ﴿وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهُ آيَةً وَآوَيْنَاهُمَا إِلَىٰ رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَمَعِينٍ﴾ (سورۃ المؤمنون:50)

اور ہم نے مریم کے بیٹے (عیسیٰ علیہ السلام) اور ان کی والدہ کو (اپنی قدرت کی) ایک نشانی بنادیا اور انہیں ایک ایسے ٹیلے (بلند مقام) پر جگہ دی جو پرسکون، قابل اطمئنان اور چشمے والا تھا۔

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو ترجیح دی ہے کہ اس بلند جگہ یا ٹیلے سے مراد بیت المقدس ہے۔

(8)﴿ وَالتِّينِ وَالزَّيْتُونِ ﴾ (سورۃ التین:1)
یہاں اللہ تعالیٰ نے انجیر اور زیتون کی قسم کھائی ہے۔ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے "والزیتون" کی تفسیر میں قتادہ، ابن زید اور کعب الاحبار کا یہ قول نقل کیا ہے:
"ھو مسجد بیت المقدس ."
یعنی زیتون سے مراد بیت المقدس یعنی مسجد اقصیٰ ہے۔

(9) اسی طرح آیت: ﴿وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوهُ أَوَّلَ مَرَّةٍ ﴾ (سورۃ بنی اسرائیل:7)
میں جس مسجد کا ذکر فرمایا گیا ہے وہ بیت المقدس ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

(10)﴿ وَاسْتَمِعْ يَوْمَ يُنَادِ الْمُنَادِ مِن مَّكَانٍ قَرِيبٍ﴾ (ق:41)
میں قریبی مکان سے مراد بیت المقدس ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

کائنات ارضی پر دوسرا گھر

سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا یارسول اللہ! کرۂ ارض پر سب سے پہلی مسجد کونسی تعمیر کی گئی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسجد الحرام، پھر عرض کیا دوسری کونسی مسجد تعمیر ہوئی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسجد الاقصیٰ، انہوں نے سوال کیا ان دونوں کی تعمیر کے درمیان کتنا عرصہ ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: چالیس سال۔"
(صحیح بخاری:3366، مسلم:520)

اللہ تعالیٰ کا فرمان: ﴿ إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَهُدًى لِّلْعَالَمِينَ﴾ (سورۃ آل عمران:96)
یعنی سب سے پہلا گھر جو لوگوں کی عبادت کے لئے بنایا گیا وہ بابرکت گھر مکہ میں ہے۔

﴿وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِيمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَإِسْمَاعِيلُ ﴾ (سورۃ البقرہ:127)
"یعنی ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام نے بیت اللہ کی بنیادیں اٹھائیں۔"

سیدنا داؤد علیہ السلام نے بیت المقدس کی تعمیر شروع کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی کہ بقیہ تعمیر سلیمان علیہ السلام کریں گے۔ (طبرانی بحوالہ فتح الباری، تحت حدیث:3366)

جب سیدنا سلیمان علیہ السلام نے بیت المقدس کی تعمیر شروع کی تو اللہ تعالیٰ سے تین دعائیں کیں۔ (سنن نسائی:3366)

لیکن ان نصوص سے یہ واضح نہیں ہوتا کہ بیت اللہ اور بیت المقدس کی ابتدائی تعمیر کس نے فرمائی؟ بالفرض مندرجہ بالہ تعمیرات کو ابتدائی تعمیر قرار دیا جائے تو اوپر صحیح بخاری والی چالیس سال کے عرصے والی روایت کی تکذیب لازم آتی ہے کیونکہ سیدنا ابراہیم وسیدنا اسماعیل اور سیدنا داؤد وسیدنا سلیمان علیہم السلام کے درمیان تو ایک ہزار سال کا فاصلہ ہے، لامحالہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ ان کی یہ تعمیر ابتدائی تعمیر نہیں ہے بلکہ بعد کی کوئی تعمیر ہی ہو سکتی ہے، چنانچہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ایسی روایات واقوال نقل کئے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں مقدس مقامات بیت اللہ اور بیت المقدس کی تعمیر آدم علیہ السلام نے فرمائی تھی اور آدم علیہ السلام کی اس تعمیر کا درمیانی عرصہ چالیس سال تھا، جب بیت المقدس کی تعمیر سلیمانی پہلی تعمیر ہی نہیں ہے تو یہودیوں کا ہیکل سلیمانی اور تولیت اقصیٰ کا دعویٰ پاش پاش ہو کر رہ جاتا ہے مگر یہ بات تو قطعی طور پر ثابت ہے کہ یہ مقامات مقدسہ بیت اللہ، بیت المقدس اور مسجد نبوی انبیاء کرام کی میراث ہیں اور انبیاء کرام علیہم السلام کے حقیقی وارث ہی ان مقامات کے وارث ومتولی ہیں، اور انبیاء کے حقیقی وارث صرف مسلمان ہی ہیں۔

فتح کی بشارت

سیدنا عوف بن مالک رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
«اعدد ستا بين يدی الساعة موتی ثم فتح بيت المقدس » (صحیح بخاری:3176)
"قیامت کی چھ نشانیاں شمار کر لو، ایک میری موت اور پھر بیت المقدس کی فتح۔۔۔"

مسلمانوں کا قبلہ سابقہ

سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مدینہ منورہ ہجرت کے بعد بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سولہ یا سترہ مہینوں تک بیت المقدس کی طرف رُخ کر کے نمازیں ادا فرماتے رہے اس کے بعد بیت اللہ کی طرف رُخ کرنے کا حکم دیا گیا۔ (صحیح بخاری: 399، 7252، 4492؛ صحیح مسلم:525)

زیادہ ثواب کی امید سے مسجد اقصیٰ کی طرف سفر کا جواز

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین مساجد کے علاوہ کسی جگہ کا (زیادہ ثواب اور برکت کی نیت سے خاص) قصد کر کے سفر کرنا جائز نہیں ہے: 1۔ مسجد الحرام 2۔ مسجد

الرسول (نبوی) 3۔مسجد الاقصیٰ۔"
(صحیح بخاری:1189، صحیح مسلم:1397)

سرزمین اسراء و معراج

نبی کریم ﷺ کے عظیم الشان معجزہ اسراء و معراج کے موقعہ پر آپ ﷺ کو مسجد الحرام سے براق (ایک جانور) پر سوار کیا گیا جس پر آپ بیت المقدس مسجد اقصیٰ میں تشریف لائے، وہیں آپ ﷺ نے دودھ کے برتن کو اختیار فرمایا، جبرئیل علیہ السلام نے کہا: "اخترت الفطرة." آپ نے فطرت کو اختیار کیا وہیں بیت المقدس سے ہی آسمان کی طرف معراج کا آغاز ہوا جیسا کہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں مروی ہے۔(صحیح مسلم:162)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے (مکہ سے بیت المقدس کی طرف اسراء کے لئے لے جانے کی یہ حکمت) ذکر کی ہے کہ مکہ سے اسلام کی ابتداء، بعثت و مخرج ہے اور دین اسلام کا کمال ظہور اور اتمام مہدی (اور عیسیٰ علیہ السلام) کے ہاتھوں شام کے علاقے سے ہو گا۔ (مناقب الشام واہلہا، ص:2،1)

مسجد اقصیٰ میں امام الانبیاء کی امامت

بیت المقدس مسجد اقصیٰ میں محمد رسول اللہ ﷺ نے تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی امامت فرمائی۔ (صحیح مسلم: 172) میں ہے:

"فحانت الصلاة فأممتهم."

یعنی جب نماز کا وقت ہوا تو میں نے انبیاء کی امامت کی۔

مسند احمد:2324 میں ہے:

"فإذا النبيون أجمعون يصلون معه."

یعنی تمام انبیاء نے آپ ﷺ کی اقتداء میں نماز پڑھی۔(الاسراء والمعراج للالبانی: ص 14-27)

زمین کی پشت پر مسجد اقصیٰ وہ واحد جگہ ہے جس میں ایک ہی وقت میں تمام انبیاء کرام علیہم السلام کا اجتماع ہوا اور باجماعت نماز ادا فرمائی، یہ اعزاز کسی اور جگہ کو حاصل نہیں ہے۔

بیت المقدس میں نماز کی فضیلت

سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک ہی مجلس میں آپس میں اس بات پر گفتگو کی کہ بیت المقدس کی مسجد (اقصیٰ) زیادہ افضل ہے یا رسول اللہ ﷺ کی مسجد (نبوی)؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری اس مسجد (نبوی) میں ایک نماز (اجر و ثواب کے اعتبار سے) اس (بیت المقدس، مسجد اقصیٰ) میں چار نمازوں سے زیادہ افضل ہے اور وہ (مسجد اقصیٰ) نماز پڑھنے کی بہترین جگہ ہے: «ولنعم المصلى هو» عنقریب ایسا وقت بھی آنیوالا ہے کہ ایک آدمی کے پاس گھوڑے کی رسی کے بقدر زمین کا ایک ٹکڑا ہو جہاں سے وہ بیت المقدس کی زیارت کر سکے (اس کے لئے بیت المقدس کو ایک نظر دیکھ لینا) پوری دنیا یا فرمایا دنیا و مافیہا سے زیادہ افضل ہو گا۔

(مستدرک حاکم:8553، صححه ووافقه الذهبي، السلسلة الصحيحة تحت حديث: 2902؛ طبرانی اوسط: 8230،6983، شعب الایمان :3849، صحیح الترغیب:1179)

نیز مسجد نبوی میں ایک نماز کا ثواب ایک ہزار (1000) نمازوں کے برابر ہے۔ (صحیح بخاری: 1190؛ صحیح مسلم:1394)

مندرجہ بالا دونوں حدیثوں کا حاصل نتیجہ یہ ہے کہ مسجد اقصیٰ میں ایک نماز کا اجر و ثواب دو سو پچاس (250) نمازوں کے برابر ہے۔

مسجد اقصیٰ میں نماز پڑھنے کے اجر و ثواب کے بارے میں مندرجہ بالہ حدیث کے علاوہ اکثر و بیشتر روایات غیر ثابت و ضعیف ہیں، تفصیل کیلئے دیکھیں: (السلسلة الضعيفة:5355، الارواء الغلیل:1130)

یاد رہے کہ مسجد الحرام میں ایک نماز ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے۔(سنن ابن ماجہ:1406)

مستدرک حاکم کی حدیث سے بھی یہ معلوم ہوا کہ مسلمانوں کے دلوں میں مسجد اقصیٰ کی محبت بھری ہوئی ہے اسے کوئی نہیں نکال سکتا، لیکن اس کی زیارت کے سلسلے میں مزید مصائب و آلام کا شکار ہونا ممکن ہے، واللہ اعلم

مسجد اقصیٰ میں نماز گناہوں کی معافی کا سبب

سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ: جب سلیمان بن داؤد (علیہ السلام) بیت المقدس کی تعمیر سے فارغ ہوئے تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے تین دعائیں کیں:

1۔یا اللہ! میرے فیصلے تیرے فیصلے کے مطابق (درست) ہوں۔

2۔یا اللہ! مجھے ایسی حکومت عطا فرما کہ میرے بعد کسی کو ایسی حکومت نہ ملے۔

3۔یا اللہ! جو آدمی اس مسجد (بیت المقدس) میں صرف نماز پڑھنے کے ارادے سے آئے وہ گناہوں سے اس طرح پاک ہو جائے جیسے وہ اس دن گناہوں سے پاک تھا جب اس کی ماں نے اسے جنا تھا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے سلیمان (علیہ السلام) کی پہلی دو دعائیں تو قبول فرمالی ہیں (کہ ان کا ذکر تو قرآن مجید میں موجود ہے) مجھے امید ہے کہ ان کی تیسری دعا بھی قبول کر لی گئی ہو گی۔ (سنن ابن ماجہ: 1408؛ سنن نسائی:693)

کیا مسجد اقصیٰ حرم ہے؟

کئی لوگ مسجد اقصیٰ کو ثالث الحرم یعنی مسجد الحرام، مسجد نبوی کے ساتھ تیسرا حرم کہتے ہیں جو کہ قرآن وحدیث کے دلائل سے ثابت نہیں ہے، حرم کے خاص احکامات ہیں کہ

وہاں شکار نہ کیا جائے، درخت نہ کاٹے جائیں وغیرہ، بلاشبہ مسجد الاقصیٰ بیت المقدس پاکیزہ گھر، انتہائی بابرکت، انبیاء کا ماوی و مسکن ہے، لیکن قرآن

وحدیث میں کہیں اسے حرم قرار نہیں دیا گیا، حرم صرف مکہ ومدینہ ہی ہیں۔ (دیکھئے: اقتضاء الصراط المستقیم لشیخ الاسلام ابن تیمیہ، ص:434، مجموع الفتاویٰ 27/15، 14-26/117)

سرزمین شام، فلسطین، بیت المقدس اور قرب قیامت

قیامت سے قبل فتنوں کے ادوار میں ان علاقوں خصوصاً شام (بیت المقدس) میں رہائش اختیار کرنے کی ترغیب دلائی گئی ہے۔ (جامع ترمذی: 2217)

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میری والدہ نے خواب دیکھا تھا کہ ان سے ایک نور نکلا جس سے شام کے محلات روشن ہوگئے۔ (مستدرک حاکم: 3566، صححہ ووافقہ الذھبی، ابن حبان: 6404، الصحیحۃ: 1925، 373)

قرب قیامت جب فتنے بکثرت ہونگے تو ایمان اور اہل ایمان (زیادہ تر) شام کے علاقوں میں ہی ہونگے۔ (مستدرک حاکم: 8413، 8554)

شام کیلئے خوشخبری ہے اللہ کے فرشتوں نے اس پر (حفاظت کیلئے) اپنے پر پھلا رکھے ہونگے۔ (جامع ترمذی، 3954، الصحیحۃ: 503)

فتنوں کے زمانے میں اہل اسلام کی مختلف علاقوں میں مختلف جماعتیں اور لشکر ہوں گے اس دور میں آپ ﷺ نے شام اور اہل شام کے لشکر کو اختیار کرنے کی ترغیب دلائی کیونکہ اس دور میں ان کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے لی ہوگی۔ (یہ مہدی اور عیسیٰ علیہ السلام کا لشکر ہوگا) (سنن ابوداؤد: 2483)

آخری وقت زمانہ قرب قیامت میں خلافت اسلامیہ کا مرکز ومحور ارض مقدسہ ہو گی۔ (سنن ابوداؤد: 2536)

قیامت سے قبل مدینہ منورہ (غیر آباد) ویران ہو جائے گا اور بیت المقدس آباد ہوگا تو یہ زمانہ بڑی لڑائیوں اور فتنوں کا ہوگا، اس کے بعد دجال کا خروج ہوگا۔ (سنن ابوداؤد: 4294)

دجال کا فتنہ اس امت کا بہت بڑا فتنہ ہے اس سے ہر نبی نے اپنی قوم کو ڈرایا۔ (صحیح بخاری: 3337)

مگر دجال چار مقامات پر داخل نہیں ہوسکے گا:

1۔ مکۃ المکرمہ 2۔ مدینہ منورہ 3۔ بیت المقدس، مسجد الاقصیٰ 4۔ طور۔ (مسند احمد: 23683)

سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا نزول بھی ان ہی علاقوں دمشق کے مشرق میں سفید مینار کے پاس ہوگا۔ (سنن ابن ماجہ: 4075)

سیدنا عیسیٰ علیہ السلام دجال کو "باب لد" کے پاس قتل کر دیں گے۔ (صحیح مسلم: 2937)

باب لد فلسطین کے علاقے میں بیت المقدس کے قریب ہے، پر جس اسرائیل غاصب نے قبضہ کر رکھا ہے۔

فتنہ یاجوج وماجوج کی ہلاکت اور انتہاء بھی بیت المقدس کے قریب "جبل الخمر" کے پاس ہو گی۔ (صحیح مسلم: 2937)

قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی کہ جب تک یہودیوں کو صفحہ ہستی سے مٹانہ دیا جائے، قیامت سے پہلے یہ وقت ضرور آئے گا کہ

مسلمان یہودیوں کو چن چن کر قتل کریں گے حتی کہ اگر کوئی یہودی کسی درخت یا پتھر کے پیچھے چھپے گا تو وہ بھی بول اٹھے گا کہ اے مسلمان! میرے پیچھے یہودی چھپا ہوا ہے آکر اسے قتل کردو۔

(صحیح بخاری: 2926، 3593، صحیح مسلم: 22، 2921)

پوری دنیا سے یہودی اپنے مقتل "اسرائیل" میں جمع ہو رہے ہیں۔

سرزمین محشر ومنشر

قیامت سے پہلے ایک آگ لوگوں کو دھکیلتی ہوئی میدان محشر (شام) کی طرف لے کر آئے گی، وہ آگ صبح دوپہر اور شام ہر وقت ان کے ساتھ ہوگی حتی کہ وہ انہیں میدان محشر تک پہنچادے گی۔ (صحیح بخاری: 6522)

شام محشر ومنشر کی سرزمین ہے۔ (یعنی محشر سرزمین شام میں بپا ہوگا۔) (جامع ترمذی: 3918، السلسلۃ الصحیحۃ: 3073)

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَاسْتَمِعْ يَوْمَ يُنَادِ الْمُنَادِ مِن مَّكَانٍ قَرِيبٍ﴾ (سورۃ ق: 41)

اور یہ بات تم غور سے سن لو جس (قیامت) کے دن ایک پکارنے والا (فرشتہ اسرافیل صور پھونک کر) ایک قریبی جگہ (صخرہ بیت المقدس) سے پکارے گا۔ یہ پکارنے والا فرشتہ اسرافیل یا جبرائیل ہوگا اور یہ پکار نفخۂ ثانیہ ہوگا جس سے لوگ میدان محشر میں جمع ہو جائیں گے اور قریبی جگہ جہاں سے یہ ندا ہوگی اس سے بعض نے صخرہ بیت المقدس مراد لیا ہے۔ (مفہم من تفسیر ابن کثیر واحسن البیان)

☆☆☆

کسی آدمی کی نماز اور روزہ تمہیں دھوکہ میں نہ ڈال دے

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ

"لا تغرنكم صلاة امرئ ولا صيامه، ولكن إذا حدث صدق، وإذا اؤتمن أدى."

(مكارم الأخلاق للخرائطي : 556)

"کسی آدمی کی نماز اور روزہ تمھیں دھوکے میں نہ ڈال دے۔ اصل یہ ہے کہ بات کرے تو سچ بولے اور امانت دی جائے تو اسے پورا لوٹائے!"

☆☆☆



سیدنا علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ کے لیے سمندر کا مسخر ہونا

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ جب سیدنا علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بحرین کو بھیجا تو میں بھی ان کے پیچھے ہو گیا، میں نے ان میں تین چیزیں دیکھیں، مجھے نہیں معلوم کہ ان میں سے کون سی چیز سب سے زیادہ تعجب خیز ہے، ہم سمندر کے کنارے پہنچے تو سیدنا علاء رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اللہ کا نام لو اور سمندر میں داخل ہو جاؤ، ہم نے اللہ کا نام لیا اور سمندر میں داخل ہو گئے اور ہم سمندر پار کر گئے اور پانی ہمارے اونٹوں کی ایڑھیوں کو تر نہیں کیا، جب ہم واپس ہوئے تو اسی زمین کے ایک ٹکڑے کو لے گئے اور ہمارے ساتھ پانی نہیں تھا، ہم نے اس کی شکایت سیدنا علاء رضی اللہ عنہ سے کی تو انہوں نے دو رکعت نماز پڑھی، پھر اللہ سے دعا کی تو اچانک بادل ڈھال کی طرح چھا گئے، پھر خوب بارش ہوئی، ہم نے پانی پیا اور پلایا اور سیدنا علاء رضی اللہ عنہ وفات پا گئے۔ ہم نے انہیں ریت میں دفن کر دیا۔ پھر ہم تھوڑی ہی دور گئے تھے کہ ہم کو خبر ملی کہ درندہ آکر اس نعش کو کھا رہا ہے، ہم فوراً وہاں پہنچے تو ہم نے اس نعش کو قبر میں نہیں دیکھا۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی: 50/3)

سیدنا ابو عبس رضی اللہ عنہ کی لاٹھی کا روشن ہونا

عبدالحمید بن ابو عبس انصاری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میمون بن زید بن ابو عبس نے مجھے بتایا، میرے والد نے مجھے بتایا کہ سیدنا ابو عبس رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نمازیں پڑھتے تھے، پھر بنو حارثہ کو واپس جاتے تھے، چنانچہ ایک تاریک اور بارش کی رات وہ نکلے تو ان کی لاٹھی روشن کر دی گئی، یہاں تک کہ وہ بنو حارثہ میں داخل ہو گئے۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ ابو عبس رضی اللہ عنہ بدری صحابی ہیں۔ (سیر اعلام النبلاء: 188/1، رقم 21)

جس نے سیدنا حسین بن علی رضی اللہ عنہما کو ایذا پہنچایا

سیدنا وائل یا وائل بن علقمہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جو وہاں کا حال انہوں نے دیکھا، انہوں نے کہا کہ ایک آدمی کھڑا ہوا اور کہا کہ کیا تم میں حسین رضی اللہ عنہ بھی ہیں؟ لوگوں نے کہا: ہاں، اس نے کہا کہ رب رحیم اور شفیع جن کی اطاعت کرنا لازمی ہے، ان کی قسم کھا کر خوشخبری دے رہا ہوں، لوگوں نے کہا کہ تم کون ہو؟ اس نے کہا کہ میں ابن جویرہ یا ابن جویزہ ہوں، سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ! اسے جہنم میں رسید فرما۔ چنانچہ اس کی سواری اسے لے کر دوڑی، یہاں تک کہ اس کا پاؤں رکاب میں پھنس گیا، انہوں نے بتایا کہ اللہ کی قسم! اس کی سواری پر اس کے پاؤں کے سوا کچھ بھی باقی نہ رہا، یعنی وہ کہیں گر کر ہلاک ہو گیا اور واصل جہنم ہا۔ (طبرانی اسے الکبیر میں بیان کیا ہے: 2841/3)

سیدنا خالد بن الولید رضی اللہ عنہ کا زہر پینے سے نقصان نہ ہونا

سیدنا ابو السفر روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ جب سیدنا خالد بن الولید رضی اللہ عنہ حیرہ میں امیر بنو مراز بہ کے پاس پہنچے تو لوگوں نے کہا کہ آپ زہر سے بچیے، کہیں عجمی لوگ آپ کو پلا نہ دیں، آپ نے کہا کہ زہر مجھے دیں، چنانچہ آپ نے اسے اپنے ہاتھ میں لیا اور بسم اللہ کہہ کر پی گئے۔ آپ کو کچھ بھی تکلیف نہیں ہوئی۔ (مجمع الزوائد: 350/9)

حسنین کریمین کے لیے بجلی کا روشن ہونا

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھتے تھے، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں جاتے تو سیدنا حسن اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہما آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیٹ پر اچھل کر بیٹھ جاتے تھے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا سر سجدہ سے اٹھاتے تو ان کو پیٹ سے نرمی کے ساتھ پیچھے کی طرف اتار دیتے تھے، پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ کرتے تو یہ دونوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیٹھ پر سوار ہو جاتے، یہاں تک کہ جب آپ نماز مکمل کرتے تو ان دونوں کو اپنی رانوں پر بٹھا لیتے، سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب کھڑا ہوا اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! کیا ان کو گھر چھوڑ کر آؤں، اچانک بجلی چمکی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں سے فرمایا کہ تم اپنی ماں کے پاس چلے جاؤ۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ وہ روشنی تھوڑی دیر کے لیے باقی رہی یہاں تک کہ وہ دونوں اپنی ماں کے پاس چلے گئے۔ (امام بیہقی نے دلائل النبوۃ میں نقل کیا ہے: 76/6)

وہ مہاجرہ جس کی دعا سے اللہ نے اس کے بیٹے کو زندہ کر دیا

سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انصار کا ایک نوجوان ہمارے پاس آیا اور اس نوجوان کے ساتھ اس کی بوڑھی ماں تھی جو نابینا تھی، سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ تھوڑی دیر نہیں گزری تھی کہ وہ انصاری نوجوان مر گیا اور ہم نے اس کے چہرے پر کپڑا ڈال دیا اور اس کی ماں سے کہا کہ اللہ سے اپنی مصیبت کا بدلہ حاصل کر لو، اس بڑھیا نے کہا، کیا میرا بیٹا فوت گیا ہے؟ میں نے کہا: ہاں، اس بڑھیاں نے کہا کہ اے اللہ! تو جانتا ہے کہ میں نے تیری طرف اور تیرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت کی ہے، اس امید پر کہ تو میری ہر مصیبت پر میری مدد کرے گا، اس لیے آج مجھ پر یہ مصیبت مت ڈال۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کی قسم! تھوڑی دیر نہیں گزری تھی کہ اس لڑکے نے اپنے چہرے سے کپڑا ہٹایا اور کھانا کھایا اور ہم نے بھی اس کے ساتھ کھانا کھایا۔

(البدایۃ والنہایہ: 6/156، 292)



تین بار اجازت طلبی

سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

كُنَّا فِي مَجْلِسٍ عِنْدَ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ، فَأَتَى أَبُو مُوسَى الْأَشْعَرِيُّ مُغْضَبًا حَتَّى وَقَفَ، فَقَالَ: أَنْشُدُكُمُ اللهَ، هَلْ سَمِعَ أَحَدٌ مِنْكُمْ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ:«الِاسْتِئْذَانُ ثَلَاثٌ، فَإِنْ أُذِنَ لَكَ وَإِلَّا فَارْجِعْ؟» قَالَ أُبَيٌّ: وَمَاذَا بِكَ؟ قَالَ: اسْتَأْذَنْتُ عَلَى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَمْسِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، فَلَمْ يُؤْذَنْ لِي فَرَجَعْتُ، ثُمَّ جِئْتُهُ الْيَوْمَ فَدَخَلْتُ عَلَيْهِ، فَأَخْبَرْتُهُ أَنِّي جِئْتُ أَمْسِ فَسَلَّمْتُ ثَلَاثًا، ثُمَّ انْصَرَفْتُ قَالَ:قَدْ سَمِعْنَاكَ وَنَحْنُ حِينَئِذٍ عَلَى شُغْلٍ، فَلَوْ مَا اسْتَأْذَنْتَ حَتَّى يُؤْذَنَ لَكَ قَالَ: اسْتَأْذَنْتُ كَمَا سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ:فَوَاللهِ لَأُوجِعَنَّ ظَهْرَكَ وَبَطْنَكَ، أَوْ لَتَأْتِيَنِّي بِمَنْ يَشْهَدُ لَكَ عَلَى هٰذَا. قَالَ أُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ: فَوَاللهِ لَا يَقُومُ مَعَكَ إِلَّا أَحْدَثُنَا سِنًّا، قُمْ يَا أَبَا سَعِيدٍ، فَقُمْتُ فَأَتَيْتُ عُمَرَ، فَقُلْتُ: قَدْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ هٰذَا

(صحیح بخاری، کتاب الإستئذان، باب التسلیم والاستئذان ثلاثاً: 6245-صحیح مسلم، کتاب البروالصلة، باب الاستئذان: 2153)

”ہم سیدنا اُبَی بن کعب رضی اللہ عنہ کی مجلس میں شریک تھے کہ سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ غصے کی حالت میں آئے اور (ہمارے پاس آ کر) کھڑے ہوگئے اور بولے: میں تمہیں اللہ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کیا تم میں سے کسی نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا ہے کہ تین مرتبہ اجازت لی جائے اور اگر اجازت مل جائے تو ٹھیک ہے ورنہ واپس چلا جائے؟ سیدنا اُبَی رضی اللہ عنہ نے پوچھا: ہوا کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ میں نے کل سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے (ان کے پاس حاضر ہونے کی) تین مرتبہ اجازت مانگی لیکن انہوں نے مجھے اجازت نہیں دی، سو میں واپس چلا آیا۔ پھر آج میں ان کے پاس گیا اور انہیں بتلایا کہ میں کل بھی آیا تھا اور تین مرتبہ سلام کہا (یعنی اندر آنے کی اجازت مانگی، لیکن اجازت نہیں ملی) تو میں واپس چلا گیا، تو انہوں نے جواب دیا کہ ہم نے تمہارا سلام سنا تو تھا لیکن ہم اس وقت کسی کام میں مشغول تھے، تو تم تب تک اجازت کیوں نہ مانگتے رہے جب تک کہ تمہیں اجازت دے نہ دی جاتی؟ میں نے کہا: میں نے تو اسی طریقے کے مطابق اجازت مانگی تھی جو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا تھا۔ انہوں نے کہا: قسم بخدا! یا تو تُو اپنی اس بات پر کوئی گواہ لے کر آ، یا پھر میں تیری پُشت اور پیٹ کو ضرور تکلیف سے دوچار کروں گا (یعنی تمہیں سزا دوں گا)، سیدنا اُبَی بن کعب رضی اللہ عنہ نے (یہ سُن کر) فرمایا: اللہ کی قسم! تیرے ساتھ (گواہی کے لیے) ہم میں سب سے کم عمر کھڑا ہو گا، اے ابوسعید! اُٹھو۔ چنانچہ میں اُٹھا اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس جا کر کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے۔“

بہ وقتِ اجازت ’میں‘ کہنے کی کراہیت

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

أَتَيْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ فِي دَيْنٍ عَلَى أَبِي، فَدَقَقْتُ الْبَابَ، فَقَالَ: «مَنْ ذَا؟» فَقُلْتُ: أَنَا، فَقَالَ: «أَنَا أَنَا.» مَرَّتَيْنِ، كَأَنَّهُ كَرِهَهُ

(صحیح بخاری، کتاب الإستئذان، باب إذا قال: من ذا؟ فقال: أنا: 6250- صحیح مسلم، کتاب البروالصلة، باب کراهة قول المستأذن أنا، إذا قیل من هذا:2155)

”میں اپنے باپ پر قرض کے مسئلے میں رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوا، میں نے دروازہ کھٹکھٹایا تو آپ ﷺ نے فرمایا: کون ہے؟ تو میں نے کہا: میں، آپ ﷺ نے فرمایا: میں، میں۔ گویا کہ آپ ﷺ نے اس انداز کو ناپسند فرمایا۔“

یعنی اگر صاحبِ خانہ آنے والے سے اس کا نام پوچھے تو اسے اپنا نام ہی بتانا چاہیے نہ کہ یوں کہنا چاہیے کہ ”میں ہوں“ نبی ﷺ نے ایسا کہنے کو ناپسند فرمایا ہے۔

مجلس میں شرکت وبرخاستگی کے وقت سلام

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا أَتَى أَحَدُكُمُ الْمَجْلِسَ فَلْيُسَلِّمْ، فَإِنْ قَامَ وَالْقَوْمُ جُلُوسٌ فَلْيُسَلِّمْ، فَإِنَّ الْأُولَى لَيْسَتْ بِأَحَقَّ مِنَ الْآخِرَةِ» (سنن أبوداؤد، کتاب الأدب: 5208-سنن ترمذی: 2706)

”جب تم میں سے کوئی مجلس میں آئے تو اسے سلام کہنا چاہیے، سوا گر وہ کھڑا ہو اور لوگ بیٹھے ہوں تو اسے ہی سلام کہنا چاہیے، کیونکہ پہلا دوسرے کی نسبت زیادہ حق نہیں رکھتا۔“

لمحہ بھر کی مفارقت کے بعد بھی سلام

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے

آپ ﷺ کو فرماتے سنا:

«مَنْ لَقِيَ أَخَاهُ فَلْيُسَلِّمْ عَلَيْهِ، فَإِنْ حَالَتْ بَيْنَهُمَا شَجَرَةٌ أَوْ حَائِطٌ أَوْ حَجَرٌ ثُمّ لَقِيَهُ فَلْيُسَلِّمْ عَلَيْهِ»(سنن أبوداؤد، كتاب الأدب، باب في الرجل يفارق الرجل...:5200)

"جو اپنے (مسلمان) بھائی کو ملے تو اسے سلام کہنا چاہیے، اگر ان دونوں کے درمیان درخت، دیوار یا پتھر حائل ہو جائے اور جب وہ اس سے ملے تو اسے پھر سلام کہنا چاہیے۔"

سلام کیسے کہنا چاہیے؟

سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

كُنّا جُلُوسًا عِنْدَ النّبِيّ ﷺ، فَجَاءَ رَجُلٌ فَسَلّمَ فَقَالَ:

السّلَامُ عَلَيْكُمْ فَرَدّ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَقَالَ: «عَشَرَةٌ». ثُمّ جَاءَ آخَرُ فَقَالَ: السّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ، فَرَدّ النّبِيُّ ﷺ وَقَالَ: «عِشْرُونَ». ثُمّ جَاءَ آخَرُ فَقَالَ:

السّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ، فَرَدّ النّبِيُّ ﷺ وَقَالَ: «ثَلَاثُونَ»

(سنن أبوداؤد، كتاب الأدب: 5195- سنن ترمذی، أبواب الإستئذان، باب ما ذكر في فضل السلام: 2689 -عمل اليوم والليلة للنسائی:118)

"ہم نبی ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک آدمی آیا اور اس نے اَلسّلَامُ عَلَيْكُمْ کہا، تو رسول اللہ ﷺ نے اس کا جواب دیا اور فرمایا: "اس نے (10 نیکیاں) حاصل کیں۔" پھر دوسرا آیا اور اس نے اَلسّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ کہا تو نبی ﷺ نے اس کا جواب دیا اور فرمایا: "اس نے (20 نیکیاں) حاصل کیں۔" پھر ایک اور شخص آیا اور اس نے اَلسّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ کہا، تو آپ ﷺ نے اس کا بھی جواب دیا اور فرمایا: "اس نے (30 نیکیاں) حاصل کیں۔"

سلام میں ایک کا عمل پوری جماعت سے کفایت

سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ مرفوعاً روایت کرتے ہیں:

«يُجْزِئُ عَنِ الْجَمَاعَةِ، إِذَا مَرُّوا أَنْ يُسَلِّمَ أَحَدُهُمْ، وَيُجْزِئُ عَنِ الْجُلُوسِ أَنْ يَرُدّ أَحَدُهُمْ.» (سنن أبوداؤد، كتاب الأدب، باب ما جاء في رد الواحد عن الجماعة: 5210-سلسلة الأحاديث الصحيحة:1148)

"جب کوئی جماعت گزرے اور ان میں سے ایک بندہ بھی سلام کر دے تو اس جماعت کو کفایت کر جائے گا، اور (اسی طرح) مجلس میں سے ایک بھی شخص سلام کا جواب دے دے تو ان سب کو کفایت کر جائے گا۔"

یعنی اگر زیادہ لوگ ہوں اور انہوں نے کسی کو سلام کہنا ہو یا پھر انہیں کوئی شخص سلام کہہ دے تو پوری جماعت کا سلام کہنا یا سب کا جواب دینا ضروری نہیں ہے بلکہ ان میں سے ایک شخص بھی سلام کہہ دے یا سلام کرنے والے کا جواب دے دے تو تمام کی طرف سے کفایت کر جاتا ہے۔

بچوں کو سلام

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ

أَنّ رَسُولَ اللهِ ﷺ مَرّ عَلَى غِلْمَانٍ فَسَلّمَ عَلَيْهِمْ (صحيح بخاری، كتاب الإستئذان، باب التسليم على الصبيان: 6247 -صحيح مسلم، كتاب السلام: 2168)

"رسول اللہ ﷺ بچوں کے پاس سے گزرے تو انہیں سلام کہا۔"

عورتوں کو سلام

سیدہ اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ

مَرّ بِنَا النّبِيُّ ﷺ وَنَحْنُ نِسْوَةٌ فَسَلّمَ عَلَيْنَا. (سنن أبوداؤد، كتاب الأدب، باب في السلام على النساء: 5204- سنن ترمذی، أبواب الإستئذان، باب ما جاء في التسليم على النساء:2697)

"نبی ﷺ ہم عورتوں کے پاس سے گزرے تو آپ ﷺ نے ہمیں سلام کہا۔"

امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس پر وہی شخص عمل کر سکتا ہے جسے عورتوں کے فتنے سے محفوظ رہنے میں اپنے آپ پر اعتماد ہو، یا پھر ان عورتوں کو سلام کہا جا سکتا ہے جن کی شادی کی عمر گزر چکی ہو، لیکن اگر کسی کو عورتوں کے فتنے سے محفوظ رہنا ممکن نظر نہ آتا ہو یا جسے وہ سلام کرنا چاہے وہ نوجوان عورت ہو تو ایسی صورت میں سلام نہیں کرنا چاہیے۔

ذمی لوگوں کو سلام اور ان کے سلام کا جواب

سیدنا سہیل بن ابی صالح بیان کرتے ہیں کہ

خَرَجْتُ مَعَ أَبِي إِلَى الشّامِ فَجَعَلُوا يَمُرُّونَ بِصَوَامِعَ فِيهَا نَصَارَى، فَيُسَلِّمُونَ عَلَيْهِمْ، فَقَالَ أَبِي: لَا تَبْدَءُوهُمْ بِالسّلَامِ، فَإِنّ أَبَا هُرَيْرَةَ حَدّثَنَا، عَنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ قَالَ:

«لَا تَبْدَءُوهُمْ بِالسّلَامِ، وَإِذَا لَقِيتُمُوهُمْ فِي الطّرِيقِ فَاضْطَرُّوهُمْ إِلٰى أَضْيَقِ الطّرِيقِ.»

(صحيح مسلم، كتاب السلام، باب النهي عن ابتداء أهل الكتاب بالسلام وكيف يرد عليهم: 2167- سنن أبوداؤد، كتاب الأدب: 5205- سنن ترمذی، أبواب الإستئذان: 2700)

"میں اپنے باپ کے ساتھ شام کی طرف گیا تو لوگ عیسائیوں کی عبادت گاہوں کے پاس سے گزرتے ہوئے انہیں سلام کہتے تھے، تو میرے والد نے کہا: تم انہیں سلام کرنے میں پہل نہ کرو، کیونکہ ہمیں سیدنا

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث روایت کرتے ہوئے بیان کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم انہیں سلام میں پہل مت کرو اور جب راستے میں تمہارا ان سے سامنا ہو جائے تو انہیں تنگ ترین راستے کی طرف مجبور کردو۔"

اس روایت میں دو چیزیں بیان ہوئی ہیں: **ایک یہ کہ** غیر مسلم لوگوں کو سلام کرنے میں پہل نہیں کرنی چاہیے **اور دوسری یہ کہ** اگر راستے میں کہیں ان کا سامنا ہو جائے تو ان کے گزرنے کے لیے راستہ تنگ کر دیا جائے۔ یہ حکم اس لیے ہے تا کہ انہیں اپنی کمتری اور مسلمانوں کے غلبے کا احساس ہو سکے۔

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إنّ الْيَهُودَ إِذَا سَلّمُوا عَلَيْكُمْ قَالُوا: السّامُ عَلَيْكُمْ، فَقُولُوا: وَعَلَيْكُمْ» (صحيح بخاری: 6257-صحيح مسلم: 2164)

"یقیناً جب یہودی تمہیں سلام کرتے ہیں تو وہ اَلسّامُ عَلَيْكُمْ (یعنی تم پر موت آئے) کہتے ہیں، سو تم انہیں وَعَلَيْكُمْ (اور تم پر بھی) کہہ کر جواب دے دیا کرو۔"

وَعَلَيْكُمْ کہنے میں حکمت یہ ہے کہ جیسا اس نے کہا ہو گا ویسا ہی اسے جواب مل جائے گا۔ یعنی اگر تو اس نے واقعی سلامتی کی دعا دی ہو گی تو جواباً اسے بھی سلامتی کی دعا مل جائے گی اور اگر اس نے سلام کے دھوکے میں سام یعنی موت کی بد دعا دی ہو گی تو جواباً اسے بھی ویسے ہی بد دعا مل جائے گی۔

ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ

دَخَلَ رَهْطٌ مِنَ الْيَهُودِ عَلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ فَقَالُوا: السّامُ عَلَيْكَ قَالَتْ: فَفَهِمْتُهَا، قُلْتُ: عَلَيْكُمُ السّامُ وَاللّعْنَةُ قَالَتْ: فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ:

«مَهْلًا يَا عَائِشَةُ، فَإِنّ اللهَ يُحِبُّ الرِّفْقَ فِي الْأَمْرِ كُلِّهِ». فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ! أَوَ لَمْ تَسْمَعْ مَا قَالُوا؟ قَالَتْ: فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «قَدْ قُلْتُ وَعَلَيْكُمْ.»

(صحيح بخاری، کتاب الإستئذان، باب کیف یرد علی أهل الذمة السلام: 6256-صحيح مسلم، کتاب السلام:2165)

"چند یہودی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور انہوں نے اَلسّامُ عَلَيْكَ (یعنی تم پر موت آئے) کہا، تو ہم سمجھ گئے۔ چنانچہ میں نے جواباً عَلَيْكُمُ السّامُ وَاللّعْنَةُ (یعنی تم پر موت آئے اور لعنت ہو) کہہ دیا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عائشہ! چھوڑو (ایسے نہ کہو)، کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر معاملے میں نرمی کو پسند فرماتا ہے۔ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں سنا جو انہوں نے کہا ہے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے وَعَلَيْكُمْ کہہ کر جواب دے دیا ہے۔"

غیر مسلموں کے سلام کے جواب میں وَعَلَيكُم کہنے کی حکمت یہ ہے کہ اگر تو انہوں نے سلام ہی کہا ہو گا تو انہیں ان کے سلام کا جواب مل جائے گا لیکن اگر انہوں نے سلامتی کی دعا کے بجائے موت کی بد دعا دی ہو تو انہیں بھی وہی جواب مل جائے گا۔

سیدنا عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں:

أَنّ رَسُولَ اللهِ ﷺ كَتَبَ إِلٰى هِرَقْلَ عَظِيمِ الرُّومِ «سَلَامٌ عَلَى مَنِ اتّبَعَ الْهُدٰى»(صحيح بخاری، کتاب بدء الوحي، باب بدء الوحي: 7)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شاہِ روم ہرقل کے نام یہ پیغام لکھا کہ ہر اس شخص پر سلامتی ہو جو بھی ہدایت کی پیروی کرے۔"

شاہِ روم جو کہ نصرانی تھا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بھی سلام نہیں لکھا بلکہ سَلَامٌ عَلٰى مَنِ اتّبَعَ الْهُدٰى لکھا، مراد یہ تھا کہ اگر تم ہدایت کی پیروی کروگے تو تم پر سلامتی ہو گی۔

☆☆☆

حقیقتِ توحید

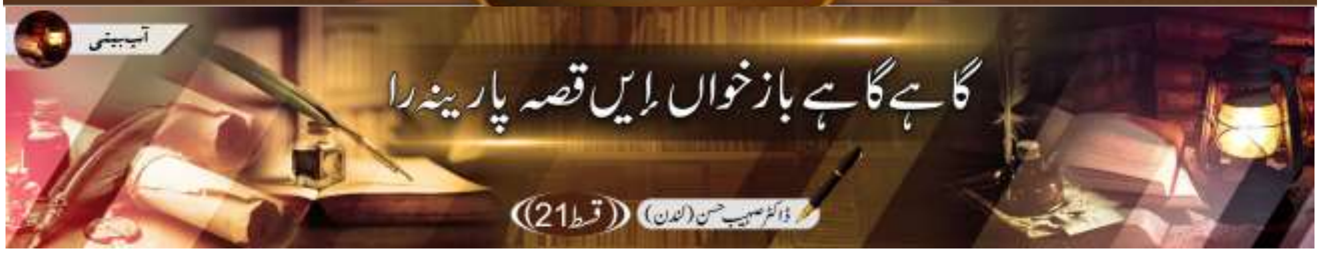
امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

إنّ حَقِيقَةَ التّوْحِيدِ أَنْ نَعْبُدَ اللّـهَ وَحْدَهُ، فَلاَ يُدْعَى إلاّ هُوَ، وَلاَ يُخْشَى إلاّ هُوَ، وَلاَ يُتّقى إلاّ هُوَ، وَلاَ يُتَوَكّل إلاّ عَلَيْهِ، وَلاَ يَكُونُ الدِّينُ إلاّ لَهُ، لاَ لأحَدٍ مِنَ الخَلْقِ، وَأَلاّ نتّخِذَ المَلاَئِكَةَ وَالنّبِيّين أَرْبَابًا، فَكَيْفَ بِالأئمّةِ، وَالشُّيُوخِ، والعُلَمَاءِ، وَالمُلُوكِ، وَغَيْرِهِم

"توحید کی حقیقت یہ ہے کہ ہم صرف اکیلے اللہ ہی کی عبادت کریں۔ محض اسی کو پکارا جائے، اسی سے ڈرا جائے، اسی کا خوف رکھا جائے، صرف اسی پر توکل کیا جائے، اطاعت ہو تو صرف اسی کی، نہ کہ مخلوق میں سے کسی کی۔ توحید کا یہ بھی تقاضا ہے کہ ہم فرشتوں اور نبیوں کو رب نہ بنائیں، ائمہ، مشائخ، علما اور بادشاہوں کا تو ذکر ہی کیا!۔"

(منہاج السنۃ النبویۃ: 490/3)

☆☆☆



ریاض کے قیام کے دوران چند اور نمایاں واقعات کو سپرد قلم کیے دیتا ہوں۔ یہ روائیداد 26 اکتوبر 1987ء کی بعد کی ہے۔

1۔ شیخ ابن باز کے ایک ظہرانے میں شرکت کی جس میں سوڈان کے سابق صدر سوار الذہب اور ڈاکٹر امین عثمان بھی مدعو تھے، ان دونوں حضرات سے لندن، خرطوم اور پھر مکہ مکرمہ میں گاہے بگاہے ملاقاتوں کا شرف حاصل ہوتا رہا تھا۔

ڈاکٹر امین عثمان سے مسلم ایڈ کے حوالے سے اور صدر سوار الذہب سے مختلف عالمی کانفرنسوں کے حوالے سے ملنا جلنا رہا، آخری ملاقات آج سے چند سال قبل مکہ مکرمہ میں ہوئی تھی کہ وہاں روہنگیا مسلمانوں کے سنٹر میں ہم دونوں کو خطاب کے لیے مدعو کیا گیا تھا۔ اللہ انہیں غریق رحمت کرے، اسلام کا بڑا درد رکھتے تھے اور یہی درد انہیں اراکان کے مظلوم مسلمانوں کی جدوجہد کے ساتھ کھڑے ہونے کی شکل میں ظاہر ہوئی۔

2۔ ایک دن ڈاکٹر عبد اللہ بن زید کے ساتھ ریاض کے نواح میں جانا ہوا، درعیہ کا گاؤں دیکھا کہ جو شیخ محمد بن عبد الوہاب کی دعوت کا اولین زینہ رہا ہے، مٹی اور گارے سے بنی وہ عمارت بھی دیکھی جو نصف صدی قبل تک زیر استعمال رہی ہو گی۔

3۔ میرے ایک سسرالی عزیز 4 نومبر بروز بدھ وزارت صحت بسلسلہ ملازمت ریاض پہنچ رہے تھے۔ میں نے اپنے ایک دوست سے گاڑی کے لیے رجوع کیا تو انہوں نے کہا کہ ان کے شناسا جناب ظہیر طائف سے آئے ہوئے ہیں، فارغ ہیں اور وہ اپنی گاڑی میں ائیرپورٹ لے جا سکیں گے۔ چنانچہ میں ان کی گاڑی میں سوار ہوا، ظہیر صاحب سے ایک دو دن قبل ملاقات بھی ہو چکی تھی، خوب بحث مباحثہ کے عادی تھے اور اس ملاقات میں ان کا موضوع بحث چند آیاتِ قرآنیہ سے متعلق کچھ اشکالات تھے۔

ایئرپورٹ جاتے ہوئے ان سے مسلسل بات چیت ہوتی رہی، باتوں باتوں میں انہوں نے کہا کہ ان کے ڈرائیونگ لائسنس کی میعاد ختم ہو چکی ہے، ذہن میں ایک کھٹکا سا آیا کہ خدانخواستہ راستے میں پوچھ گچھ ہو گئی تو کیا ہو گا؟ پھر کچھ دیر بعد کہنے لگے کہ گاڑی کا روڈ لائسنس بھی اپنی میعاد پوری کر چکا ہے۔ میں انا اللہ پڑھتا رہا اور پھر جب انہوں نے بتایا کہ گاڑی کی نمبر پلیٹ سامنے سے ٹوٹی ہوئی ہے یعنی گاڑی کا نمبر پورا پڑھا نہیں جا سکتا۔ میں پھر اللہ سے دعا ہی کرتا رہا کہ یااللہ یہ سفر خیریت سے پورا کر دے۔

میرے عزیز چونکہ ایئرپورٹ پہنچ چکے تھے، اس لیے میں نے اپنے ہمسفر سے کہا کہ وہ مجھے گیٹ پر اتار کر ذرا آگے میرا انتظار کریں تاکہ میں اس دوران اپنے عزیز کو ساتھ لے آؤں۔

اب جب میں انہیں اپنے ساتھ لے کر باہر پہنچا تو دیکھا کہ وہ تو کہیں نظر نہیں آ رہے، تھوڑا انتظار کیا تو وہ ٹریفک پولیس کی جیپ کے عقب میں اپنی گاڑی کے ساتھ آ رہے ہیں۔ میں نے اپنے عزیز کو تو ایک ٹیکسی میں وزارت صحت روانہ کیا اور خود اپنے ہمسفر کی گاڑی میں بیٹھا تاکہ ان کی ترجمانی کر سکوں اور اس ناگہانی آفت میں ان کی کچھ مدد کر سکوں۔

ہمیں جیپ کے پیچھے پیچھے آنے کے لیے کہا گیا، ہم مرکزی شاہراہ پر ائیرپورٹ سے روانہ ہوئے، پھر ایک تپلی سڑک پر مڑے اور بالآخر ایک بہت بڑے احاطہ تک پہنچ گئے۔ جہاں بے شمار گاڑیاں ٹریفک قوانین کی خلاف ورزی میں روک لی گئی تھیں۔ عربی میں اسے 'حجز' کہا جاتا ہے۔

ظاہر تھا کہ پولیس نے نمبر پلیٹ کی وجہ سے بآسانی نشانہ بنا لیا ہو گا اور پھر جو کھاتا کھلا ہو گا تو باقی دونوں کوتاہیوں کا بھی انکشاف ہو چکا ہو گا۔ پولیس تو انہیں مہمان بنانے میں تلی ہوئی تھی، لیکن میرے اصرار پر کافی انتظار کے بعد ہم دونوں کو دو سپاہیوں کے ہمراہ پولیس کی ایک گاڑی میں واپس ایئرپورٹ لایا گیا جہاں پولیس کے برانچ آفس میں نقیب (کیپٹن) یعنی سربراہ پولیس چوکی کے سامنے پیش کیا گیا۔ میں نے انہیں بتایا کہ میں شیخ ابن باز کے آفس میں بسلسلہ ترجمہ قرآن اپنی خدمات سرانجام دے رہا ہوں اور یہ کہ مجھے ان کے نائب شیخ ابراہیم بن صالح آل الشیخ سے فون پر بات کرنے کی اجازت دی جائے، چنانچہ اس نے مہربانی کی۔ شیخ سے میری بات کروادی اور پھر شیخ نے میری روئیداد سننے کے بعد نقیب مذکور سے سلام وکلام کیا کہ جس کے بعد ہم دونوں کو جانے کی اجازت ملی، لیکن گاڑی کے بارے میں کوئی رعایت نہیں برتی گئی۔

میں نے پھر ٹیکسی لی اور وزارت صحت کی راہ لی، جہاں اپنے عزیز سے ملاقات کی اور معلوم ہوا کہ انہیں سعودیہ کے جنوب میں 'ابھا' شہر کے قریب بحیثیت ڈاکٹر متعین کیا جا رہا ہے۔ اللہ کا شکر ادا کیا کہ گو سارا دن خوب بھاگ دوڑ میں گزرا" لیکن خیر سے بدھو گھر کو آئے۔"

مجھے اپنا وہ خواب یاد آیا جو ریاض میں آنے کے چند دن بعد ایک رات دیکھا تھا، اس خواب میں دو اشخاص کو دیکھا جو میرے پیچھے پڑے ہوئے تھے اور مجھے بے حد تنگ کرتے نظر آتے تھے اور میں ان سے چھٹکارا حاصل کرنے کی پوری کوشش کر رہا تھا، ایک تیسرا شخص بھی دیکھا جو میرے ساتھ تھا اور بالآخر میں ان کے چنگل سے نکل آیا۔ کیا یہ وہی دو پولیس والے اور تیسرے میرے ہمسفر کی طرف اشارہ نہ تھا۔

مجھے اس دن یہ لفٹ لینا بہت شاق گزرا۔ اگر میں سیدھا ٹیکسی لے کر ائیرپورٹ چلا تو عافیت رہتی، لیکن قضاء وقدر کے فیصلے غالب رہتے ہیں اور ہماری اپنی غلطیاں اور کوتاہیاں ان کا سبب بنتی ہیں۔

أعوذ باللہ من شرور أنفسنا وسیئات أعمالنا

4۔ ریاض کی نمایاں ہستیوں میں سے ایک عبد المالک مجاہد ہیں، جماعت اہل حدیث کے روح رواں، ان کے دستر خوان پر ہندوپاک کے اخوان اہلحدیث سے ملاقات کا موقع ملا۔ قرآن پاک کی ایک غیر زبان میں ترجمانی کتنا کٹھن کام ہے، اس پر بات چیت ہوئی۔ انہوں نے اپنے ادارے شرکۃ الفرقان کا بھی تعارف کرایا، جسے انہوں نے اپنے برادر طارق کے ساتھ بڑی محنت سے پروان چڑھایا۔

ایسے ہی ایک نشست برادر غلام نبی کے ہاں بھی رہی، جہاں اسی موضوع پر حاضرین مجلس سے تبادلہ خیال ہوا۔

5۔ ہمارے جامعہ کے دوست ہندوستان کی جماعت اہلحدیث کا عنوان، برادرم لقمان سلفی کی مکہ سے آمد کے بعد ان کے دولت خانہ پر اکثر جانے کا اتفاق ہوتا رہا اور وہیں پر ہندوستانی احباب میں سے محمد رفیع (فیجی میں مبعوث)، جنوبی ہند کے کاکا عمر، دھلی کے عبد الوہاب خلیجی اور متعدد افراد سے ملاقات رہی۔ شیخ ابن باز کے مکتب سے تعلق کی بنا پر ان کا اپنا دفتر بھی مرجع خلائق رہتا ہے۔

ایک نشست میں جامعہ کے ایک پرانے ساتھی حکیم سعد سے بھی ملاقات رہی، وہ اور ان کے بھائی سعود طباعت کا خوب ادراک رکھتے تھے، انہیں انتہائی خوش اخلاق اور خوش پوش پایا۔ بڑے عرصے کے بعد ملاقات ہوئی تو بہت مسرت کا باعث رہی۔

ایک اور نشست میں شیخ راحت گل (پاکستان) کے صاحبزادے سید العارفین اور میاں طفیل محمد کے صاحبزادے محمد احسن سے بھی ملاقات رہی۔

ایک دوپہر برادرم لقمان سے ملاقات مقصود تھی، ہمارے ساتھ میرے رفیق کار ڈاکٹر سید متولی الدرش کے داماد ڈاکٹر خورشید بھی تھے۔ اچانک ایک گاڑی پیچھے سے ڈاکٹر خورشید سے جا ٹکرائی۔ وہ اچھل کر دور جا پڑے۔ ڈاکٹر الدرش انہیں سہارا دے کر ہسپتال لے گئے۔ اللہ کا شکر ہے کہ جان سلامت رہی، رات تک گھر واپس آچکے تھے۔

6۔ شیخ ابن باز چونکہ حج اور مابعد الحج کی مصروفیات مکہ میں گزارتے ہیں، اس لیے ان کی آمد کے بعد ان کی صحبت اور معیت کا شرف حاصل رہا۔ اپنے کام کی سبک رفتاری سے آگاہ کیا اور اس بات کی بھی خواہش کی کہ اب جب کہ ہم نصف قرآن تک پہنچنے والے ہیں تو ہمیں کچھ دن کے لیے واپس لندن جانے کی اجازت دی جائے، اللہ نے چاہا تو دوبارہ آمد ہوگی اور باقی کام مکمل کر سکیں گے۔ شیخ نے خوشدلی سے اجازت دے دی۔

ایک جمعہ ہمارے شناسا عبد العزیز مشعل کی مسجد (حی الرفاع) میں ادا کیا۔ نماز کے بعد شیخ کے اپنے مہمان خانے میں ان کا درس تفسیر وحدیث سنا اور پھر ان کے دستر خوان پر بھی حاضری دی۔ وہیں شیخ صالح الاطرم سے بھی ملاقات رہی، نابینا ہیں۔ جامعۃ الامام کے استاد ہیں اور فقہ میں خوب درک رکھتے ہیں، دوسرے مشائخ میں سے شیخ ابراہیم بن صالح، شیخ محمد ناصر العبودی اور ڈاکٹر عبد اللہ الترکی نے بھی شیخ کو اپنے اپنے گھر مدعو کیا اور ہمیں بھی ان کے ساتھ شریک محفل ہونے کی سعادت حاصل رہی اور ان محافل میں متعدد دوسرے مشائخ سے بھی تجدید ملاقات رہی جن میں شیخ صالح اللحیدان، استاذ مناع القطان، شیخ عبد العزیز عمار، ڈاکٹر عبد اللہ بن زید، شیخ محمد بن قعود، شیخ اسماعیل عتیق اور دبّی میں ریاسہ کے مبعوث جناب مقبول احمد شامل ہیں۔

7۔ ایک جمعہ سید حامد حسین کی دعوت پر ان کے دولت خانہ میں حاضری دی، وہ ریاض کی ایک نئی آبادی میں مقیم تھے، آبادی کے درمیان پانی کا تالاب ڈیزائن کیا گیا ہے اور ساتھ ہی ایک عالیشان مسجد اس محلے کی زینت ہے۔

ہمارے قرابت داروں میں سے ڈاکٹر آصف قریشی یہاں قریب ہی رہائش پذیر تھے، جامعۃ الامام میں استاد ہیں، ان کے اپارٹمنٹ میں برادرم ممنون احمد سے ملاقات ہوگئی، آج کل کینیڈا میں مقیم ہیں۔ جب کراچی میں تھے تو اپنے گھر پر درس قرآن کا اہتمام کیا کرتے تھے جہاں مجھے بھی خطاب کا موقع ملا۔ غازی مجاہد سے بھی ملاقات رہی۔

جامعہ کی مسجد میں جناب مصطفیٰ اعظمی سے تعارف حاصل ہوگیا، وہ مجھے اپنے گھر لے گئے، اپنا دار المطالعہ دکھایا۔ اس زمانے میں بھی کمپیوٹر زیر استعمال رہتا تھا۔ ایطالی زبان میں قرآن مجید کا ایک قدیم نسخہ جو کہ سن 1698ء کا طبع شدہ تھا، دکھایا، ترجمہ مسٹر مارکوگی کا تھا جو اپنے زعم میں قرآن کا رد بھی کر رہے تھے۔

8۔ ہمارا واپسی کا دن قریب آچکا تھا، اس لیے قرآن کے حواشی پر جو کام کیا تھا، اس پر نظر ثانی کی تکمیل کی۔

15/نومبر کی شام جناب اسماعیل عتیق مجھے اور برادرم رفیع احمد کو ائیرپورٹ لے آئے، میں براہ جدہ سفر کا عزم رکھتا تھا، جہاں برادرم شعیب کی معیت میں آدھی رات کے لگ بھگ عمرہ ادا کرنے کی سعادت حاصل ہوئی اور اگلے دن نصف النہار کی ساعت کے ساتھ لندن کی پرواز کو جا پکڑا اور شام تک منزل مقصود جا پہنچا۔

اللہ کا شکر ہے کہ اہل وعیال کو خیریت سے پایا۔ صاحبزادے اسامہ کو ایک عارضہ کی بنا پر ہسپتال جانا پڑا تھا کہ جس کا علم مجھے وہاں جا کر ہوا، چنانچہ گھر پہنچتے ہی پہلے اسے دیکھنے کے لیے ہسپتال پہنچا۔ الحمد للہ کہ جس آپریشن کے لیے اسے وہاں داخل ہونا پڑا تھا وہ بخیر وخوبی ہو چکا تھا اور پھر اگلے دن اسے گھر آنے کی اجازت بھی مل گئی تھی۔

مقام شکر ہے کہ ریاض میں اقامت کے دن، آنے اور جانے کے اسفار بخیریت سے گزر گئے۔ الحمد للہ

☆☆☆



اللہ رب العزت نے مسلمانوں پر باجماعت وقت پر نماز فرض کی ہے اللہ رب العالمین کا فرمان:
﴿إِنّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَّوْقُوتًا﴾ "یقینا نماز مومنوں پر مقررہ وقت پر (جماعت کے ساتھ) فرض ہے۔" (سورۃ النساء:103)
باجماعت نماز روح کو جلا بخشتی ہے جماعت کے بہانے نمازی کا زیادہ وقت اللہ تعالیٰ کے ذکر میں گذرتا ہے نماز کی ادائیگی کے لئے جماعت کی پروانہ کرنا انتہائی درجہ کی غفلت، سستی اور کاہلی ہے بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ وہ آدمی شیطان کے نرغے میں ہے۔ ممکن ہے وہ اسے جلدی نقصان پہنچانے میں کامیاب ہو جائے اور اس سے بڑا نقصان کیا ہو سکتا ہے کہ وہ کئی سعادتوں سے محروم ہو جاتا ہے۔ باجماعت نماز ادا کرنے والے خوش نصیب بندے کے لئے بہت سی خوشخبریاں احادیث نبوی ﷺ میں بیان ہوئیں ہیں۔
نبی کائنات ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ "أي العمل أحب الى الله عزوجل؟" "(عمل میں سے) اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب عمل کون سا ہے؟" «قال الصلاة علي وقتها.» "آپ ﷺ نے فرمایا: نماز کو وقت پے (جماعت کے ساتھ) ادا کرنا۔" (صحیح بخاری:5970)
آپ ﷺ نے فرمایا کہ باجماعت نماز پڑھنا تنہا پڑھنے سے بیس اور کچھ گنا زیادہ فضیلت رکھتا ہے۔
اور ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ "جیسے بیس اور کچھ زیادہ نمازیں گھر میں پڑھی جائیں۔" (ترغیب وترہیب:405)
اور فرمایا کہ "باجماعت نماز انفرادی نماز سے ستائیس درجے زیادہ فضیلت رکھتی ہے۔" (صحیح بخاری: 645؛ صحیح مسلم:249؛ جامع ترمذی: 215789)
سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: «تفضل صلاة الجميع صلاة أحدكم وحده، بخمس وعشرين جزءا، وتجتمع ملائكة الليل وملائكة النهار في صلاة الفجر» (سلسلہ صحیحہ:268)
"جماعت کی نماز آدمی کے اکیلے نماز پڑھنے سے پچیس گنا زیادہ افضل ہے، اور اگر وہ کسی جنگل میں نماز پڑھے، اس کا وضو، رکوع اور سجود پورے کرے تو اس کی نماز پچاس گنا درجے تک پہنچ جاتی ہے۔"
باجماعت نماز ادا کرنے والے بندے کے لئے کتنی بڑی خوش نصیبی ہے کہ جب تک وہ نماز باجماعت کی انتظار میں بیٹھا رہتا ہے تو وہ نماز میں ہی لکھا جاتا ہے اور مقرب فرشتے اس کی مغفرت کے لئے دعائیں مانگتے رہتے ہیں۔
آپ ﷺ نے فرمایا کہ "باجماعت نماز پڑھنے کا ثواب گھر یا بازار میں پڑھنے سے پچیس گنا زیادہ ہے وہ اس طرح کہ کوئی اچھی طرح وضو کرتا ہے اور پھر صرف اور صرف نماز کے لئے مسجد چل پڑتا ہے تو ہر قدم اٹھانے پر اس کا ایک ایک درجہ بڑھتا ہے اور اس کی ایک ایک خطا معاف کی جاتی ہے پھر جب نماز پڑھ چکتا ہے تو فرشتے اس کے لئے اس وقت تک مسلسل دعائے مغفرت کرتے ہیں جب تک وہ نماز والی جگہ پر بیٹھا ہو اور جب تک باوضو رہے فرشتے یہ دعا کرتے ہیں: "اللہ! اس کی مغفرت فرما اور اس پر رحم فرما اور یوں جب تک وہ نماز کا انتظار کرتا ہے اس وقت تک وہ نماز میں مصروف سمجھا جاتا ہے۔" (ترغیب ترہیب: 402)
باجماعت نماز ادا کرنے والے خوش نصیب بندے کے لئے یہ بھی خوشخبری ہے کہ خالق کائنات اس بندے کے کیے گئے گناہوں کی مغفرت فرمادیتا ہے۔
امام کائنات ﷺ نے فرمایا کہ
"جو اچھی طرح وضو کرے پھر فرض نماز کے لئے چل پڑے اور جماعت کے ساتھ نماز پڑھ لے اس کے گناہ معاف ہو جائیں گے۔" (صحیح ترغیب ترہیب:407)
باجماعت نماز ادا کرنے والے شخص کی معیشت میں بھی بہتری ہوگی اور باجماعت نماز ادا کرنے والے بندے کی موت بھی بہتری میں آئے گی اور اس بندے کو قبر و آخرت کے عذاب سے محفوظ رکھا جائے گا۔ (ان شاء اللہ)
اس طرح گناہوں سے پاک ہونا جیسا بندہ ماں کے پیٹ سے ابھی نکلا ہو یہ سعادت حج کرنے والے حاجی اور باجماعت نماز ادا کرنے والے نمازی کے لئے ہی ہے، قارئین سے سوال ہے کہ کیا یہ کوئی کم تر خوشخبری ہے؟
سیدنا قباث بن اشیم لیثی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: «صلاةُ رجلَيْنِ يَؤُمُّ أحدُهما صاحِبَهُ أزْكَى عند اللهِ من صلاةِ أربعةٍ تَتْرَى، وصلاةُ أربعةٍ يَؤُمُّهمْ أحدُهُمْ أزْكَى عند اللهِ من صلاةِ ثَمانِيةٍ تَتْرَى، و صلاةُ ثمانِيةٍ يَؤُمُّهمْ أحدُهمْ أزْكَى عند اللهِ من صلاةِ مِائةٍ تَتْرَى» (سلسلہ صحیحہ:529)
"دو آدمیوں کی نماز جس میں ایک دوسرے کی امامت کرائے پے در پے پڑھی جانے والی آٹھ نمازوں سے بہتر ہے اور چار اشخاص کی نماز جس میں ایک دوسروں کی جماعت کرائے۔ لگاتار پڑھی جانے والی سو (100) نمازوں سے بہتر ہے۔"
سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ایک مرفوع روایت میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: «إِنّ اللهَ لَيَعْجَبُ مِنَ الصَّلَاةِ فِي الْجَمِيعِ» (سلسلہ صحیحہ:652)
"بیشک اللہ تعالیٰ جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے سے خوش ہوتا ہے۔"
اور اسی طرح ہی سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے ایک مرفوع روایت میں ہے کہ نبیٔ کائنات ﷺ نے فرمایا: «البَرَكَةُ فِي ثَلَاثَةٍ؛ الجَماعَةُ وَالثَّرِيدُ

وَالسُّحُورُ» (سلسلہ صحیحہ:685)
"تین چیزوں میں برکت ہے جماعتوں میں، ثرید میں اور سحری کھانے میں۔"

باجماعت نماز ادا کرنے سے بندے کو اللہ رب العزت منافقت جیسے قبیح مرض سے بچاتا ہے اور اسے جہنم کی آگ سے آزاد کردیتا ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا کہ

«مَنْ صَلَّى لِلَّهِ أَرْبَعِينَ يَوْمًا فِي جَمَاعَةٍ يُدْرِكُ التَّكْبِيرَةَ الْأُولَى كُتِبَتْ لَهُ بَرَاءَتَانِ بَرَاءَةٌ مِنَ النَّارِ وَبَرَاءَةٌ مِنَ النِّفَاقِ » (جامع ترمذی؛ سلسلہ صحیحہ:530)"جس نے اللہ کی (رضا کے لئے) چالیس دن جماعت کے ساتھ نماز ادا کی تکبیر اولیٰ (تحریمہ) کو ترک نہیں کیا اس کے لئے دو براءتیں لکھی جاتی ہیں ایک براءۃ (جہنم کی) آگ سے اور دوسری براءۃ نفاق سے۔"

اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ وہ ہمیں نماز باجماعت ادا کرنے کی توفیق عطافرمائے اور بیان کردہ خوشخبریوں سے نوازے۔ آمین یامجیب السائلین

☆☆☆

ڈاکٹرف عبدالرحیم ایک عبقری انسان تھے، جو ہم میں نہ رہے۔

جنوبی ہند میں جامع دار السلام عمر آباد کے قریب ایک علاقہ وانمباڑی میں ف عبد الرحیم پیدا ہوئے اور بچپن سے انہیں عربی زبان سیکھنے کا شوق دامنگیر تھا، کبھی کبھی اس غرض سے وہ جامع دار السلام عمر آباد کا قصد کرتے تھے لیکن باقاعدہ طور پر بحیثیت طالب علم وہ جامع دار السلام عمر آباد یا کسی بھی مدرسہ جامعہ اور دار العلوم میں داخلہ نہیں لیا۔ بس اپنے ذاتی شوق اور دلچپی سے تعلیم کے زینے طے کرتے رہے، مدراس یونیورسٹی سے انگریزی زبان میں ایم اے کی ڈگری حاصل کی، عربی زبان میں علی گڑھ یونیورسٹی سے ایم اے کی ڈگری حاصل کی، عربی زبان اور دینی علوم پر مدراس یونیورسٹی سے افضل العلماء کی ڈگری حاصل کی۔ عربی زبان میں ازہر یونیورسٹی، مصر سے Ph.D کی ڈگری حاصل کی۔ وہ عربی، انگریزی، اردو، فارسی، ہندی، ٹمل، فرنسی، جرمنی، یونانی اور ترکی وغیرہ کل پندرہ زبانوں کے ماہر تھے۔ سوڈان میں ام درمان یونیورسٹی میں انگریزی زبان کے صدر مقرر ہوئے، بعد میں مدینہ میں عربی زبان کی تعلیم کے شعبہ میں صدر مقرر ہوئے۔ مدینہ منورہ میں جہاں دنیا کا سب سے بڑا پریس ہے، جس میں دنیا کی مختلف زبانوں میں قرآن حکیم کے تراجم چھپ کر ساری دنیا میں پہنچتے ہیں۔ ملک فہد قرآن پرنٹنگ پریس کے صدر مقرر ہوئے جو 23 سال سے اس ڈیپارٹمنٹ سے وابستہ تھے، 90 سال کی عمر پاکر مالک حقیقی سے جا ملے اور مدینہ منورہ کے قبرستان جنت المعلیٰ میں دفن ہوئے۔ اس عرصہ میں ہزاروں طلباء کو عربی زبان سکھائی اور ان کی تصنیف کردہ عربی زبان سیکھنے کی کتاب جو 3 تین جلدوں پر مشتمل ہے۔ 'تعلیم اللغۃ العربیۃ لغیر الناطقین بھا' مدینہ منورہ یونیورسٹی اور سعودی عرب کی یونیورسٹیوں میں داخل نصاب ہے، اس کے علاوہ دنیا کی مختلف یونیورسٹیوں میں ان کی یہ کتاب پڑھائی جاتی ہے۔

انہوں نے 30 سے زائد کتابیں لکھی ہیں اور یہ ایسی کتابیں ہیں جو اس سے پہلے کسی اسکالر نے نہیں لکھی ہیں، ان کی ایک مشہور کتاب جس میں انہوں نے بتایا ہے کہ عربی زبان کے الفاظ کن کن زبانوں میں لیے گئے ہیں اور وہ کیا ہیں؟ خود عرب حضرات ان کی کتابوں سے ششدر رہے کہ اللہ نے اس عجمی شخص کو کن کن صلاحیتوں سے سرفراز کیا ہے۔ آئندہ ان کے تعلق سے بہت سی کتابیں لکھی جائیں گی اور بہت سے مضامین مجلات اور میگزینوں کی زینت بنیں گے۔ ان شاءاللہ

ہمارا مرحوم کے ساتھ خاص تعلق ہونے کی بنا پر ہم نے اسی پر اکتفاء کیا ہے۔ واضح رہے کہ ڈاکٹرف عبد الرحیم کسی مدرسہ یا کسی استاذ سے تعلیم حاصل نہیں کی۔ صرف اپنے ذاتی محنت اور کوشش سے اللہ نے انہیں آسمان علم پر پہنچا دیا۔ جس پر دنیا حیرت زدہ ہے۔﴿ذَٰلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ﴾

ایک عرصہ میں مدینہ منورہ میں رہنے کی وجہ سے مدینہ کے کبار علماء و شیوخ کی صحبت نے انہیں عالم دین بنادیا، اس طرح پندرہ زبانوں کے عالم کو اللہ تعالیٰ نے دین کا عالم بھی بنادیا۔ ان کی وفات پر جمیعۃ ابنائے قدیم جامعہ دار السلام عمر آباد، برطانیہ میں مقیم مولانا محمد عبد الهادی العمری المدنی، مولانا محمد حفیظ اللہ خاں العمری المدنی، مولانا شیر خان، جمیل احمد عمری، مولانا عبد الباسط العمری، مولانا محمد عبد الرؤف عمری ریاضی، مولانا جی عبد الحق عمری مدنی، مولانا رشاد احمد اعظمی عمری، مولانا جمال انور اعظمی مدنی اور ڈاکٹر عبد الرب ثاقب عمری سلفی اور مرکزی جمعیۃ اہل حدیث برطانیہ کے امیر مولانا شعیب احمد مکی میرپوری، ناظم اعلیٰ قاری ذکاء اللہ سلیم وغیرہم نے اظہار تعزیت کرتے ہوئے دعا کی ہے کہ اللہ کریم مرحوم کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور عالم اسلام کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے۔ آمین

بار دنیا میں رہو غمزہ یا شاد رہو
ایسا کچھ کر کے چلو یہاں کے بہت یاد رہو

ڈاکٹر عبد الرب ثاقب العمری

☆☆☆



ایک جاہل سے جاہل شخص بھی ان احادیث کا مطلب یہ نہیں سمجھے گا کہ وضو کر کے پہلے بیوی کا بوسہ لینا ضروری ہے، یا کھڑے ہو کر پیشاب کرنا ضروری ہے، یا اپنی بچیوں کو کندھوں پر اٹھا کر نماز پڑھنا ضروری ہے، یا بالغ آدمی کو دودھ پلانا ضروری ہے۔ اہل حدیث عوام وخواص کے دلوں میں چونکہ احادیث رسول کا پورا احترام و تقدس ہے اس لئے وہ مذکورہ احادیث کا نہ انکار کرتے ہیں اور نہ ان کا استخفاف، بلکہ ان کو مخصوص حالات پر محمول کرتے ہیں اور ان کے جواز کے قائل ہیں۔ ہم اس، شیخ الحدیث والتفسیر، سے پوچھتے ہیں کہ اگر یہ حدیثیں صحیح ہیں تو کیا آپ کے لئے ان کا ماننا ضروری نہیں ہے؟ اگر جواب اثبات میں ہے تو ذرا وضاحت فرمائیں کہ ان کی حیثیت استمراری سنت کی ہے یا ان میں صرف جواز کا بیان ہے جس کا مطلب ہوتا ہے کہ اگر ضرورت پڑے تو عمل کیا جا سکتا ہے۔ صرف اہل حدیث کو مورد طعن بنانا، کیا اس بات کی غمازی نہیں کرتا کہ شیخ الحدیث کے منصب پر بیٹھ کر ساری زندگی احادیث کا ردّ کرتے کرتے دل سے احادیث کا احترام اور تقدس ختم ہو گیا ہے۔ مذکورہ اقتباس اسکا واضح نمونہ ہے۔

اس اعتبار سے صحیح احادیث سے گریز و اعراض اور عند المحدثین ضعیف روایات سے استدلال دونوں ہی گروہوں کا وتیرہ اور طریقہ ہے اور یوں تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ جس کی وضاحت ہم نے کی ہے، ان کے فکر و عمل میں اتحاد و یکسانیت ہے۔

بنابریں دونوں گروہوں سے اہل حدیث کا بنیادی اور اصولی اختلاف ہے اور یہ اختلاف اس وقت تک ختم نہیں ہو گا جب تک یہ احادیث صحیحہ کو ان اصول وضوابط کی روشنی میں دل سے تسلیم نہیں کریں گے جو ماہرین علم حدیث نے، جو صرف محدثین ہیں، مقرر فرمائے ہیں اور آخر میں ہم ان حامیان تقلید جامد سے، جو ان کے اکابر کے نزدیک بھی حرام اور کفر کے قریب ہے، صرف ایک سوال کریں گے کہ امام ابوحنیفہ اور ان کے ارشد تلامذہ کے وہ اجتہادی اصول دنیا کی کس کتاب میں درج ہیں جن کی بنیاد پر صحیح احادیث کو ضعیف اور ضعیف احادیث کو صحیح قرار دیا جا رہا ہے؟ کیونکہ ہمارے علم و مطالعہ کی حد تک ان اجتہادی اصولوں کا انتساب ان آئمہ ثلاثہ کی طرف یکسر جھوٹ اور بے بنیاد ہے۔ قیامت کے دن یہ ائمہ کرام اپنے ان نام لیواؤں سے یہی کہیں گے: سبحانك هذا بهتا ن عظيم۔ اگر ان کے اس دعوی میں ذرا بھی صداقت ہے تو اس کا ثبوت پیش فرمائیں:هاتوا برهانكم إن كنتم صادقين

بہر حال علمائے احناف کے مذکورہ دونوں گروہوں کا رویہ اور طرز فکر کم و بیش کے کچھ فرق کے ساتھ اپنے ائمہ ثلاثہ کے طرز فکر و عمل سے یکسر مختلف ہے اہل حدیث کا اختلاف اگر نہیں ہے تو آئمہ ثلاثہ کے طرز فکر و عمل سے نہیں ہے، ان سے اصول و فروع میں مطابقت کا دعوی جیسا کہ علمائے اہل حدیث نے کیا ہے، کیا جا سکتا ہے لیکن مذکورہ دونوں گروہوں کی جو تفصیلات گزشتہ صفحات میں بیان کی گئی ہیں، جو صحابہ و تابعین و تبع تابعین کے طریقے کے خلاف اور ان محدثین کرام کی روش کے برعکس ہے جنہوں نے احادیث کی حفاظت و صیانت کا بے مثال کارنامہ سر انجام دے کر رسول اللہ ﷺ کے اس اسوہ حسنہ کو قیامت تک کے لئے محفوظ کر دیا جس کی بابت اللہ تعالی نے فرمایا:

﴿ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا ﴾ (سورۃ الاحزاب: 21)

”یقیناً تمہارے لئے رسول اللہ (کی ذات گرامی) میں بہترین نمونہ ہے، اس شخص کے لئے جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا اور کثرت سے اللہ کا ذکر کرتا ہے۔“

ان سے اتحاد و اتفاق کس طرح ممکن ہے؟ انہی کے خلاف تو اہل حدیث کا جہاد ہے جو صدیوں سے وہ کرتے چلے آرہے ہیں اور حدیث رسول لاتزال طائفة من امتی تقاتل علی الحق (الحدیث) کے مطابق ابد تک جاری رہے گا۔ خوش نصیب ہے وہ گروہ جو اس سعادت ابدی سے بہرہ ور رہا ہے، ہے، اور رہے گا جعلنا منھم

(حاشیہ نمبر 25۔ج) محمد بن اسحاق بن یسار

حافظ زبیر علی زئی لکھتے ہیں:

جناب محمد سرفراز خان صفدر دیوبندی گکھڑوی نے اپنی کتاب، احسن الکلام فی ترک القراۃ خلف الامام میں سبب تالیف کے تحت لکھا ہے:

ہم نے بعض مقامات پر آئمہ جرح وتعدیل اور جمہور محدثین کرام کے مسلّمہ اور طے شدہ اصول وضوابط کے عین مطابق ثقہ راویوں سے متعلق ثقاہت اور عدالت کے اقوال تو نقل کر دیئے ہیں، لیکن اگر بعض ائمہ کا کوئی جرحی کلمہ ملا ہے، تو وہ نظر انداز کر دیا ہے۔

اسی طرح اگر کسی ضعیف اور کمزور راوی کے بارے میں امام کا کوئی توثیق کا جملہ ملا ہے تو اسکو بھی درخور اعتنا نہیں سمجھا، کیونکہ فن رجال سے ادنی واقفیت والے بھی بخوبی اس امر سے واقف ہیں کہ کوئی بھی ایسا ثقہ (راوی) جس پر جرح کا کوئی کلمہ منقول نہ ہو یا ایسا ضعیف (راوی) جس کو کسی ایک نے بھی ثقہ نہ کہا ہو، کبریت احمر کے مترادف ہے۔۔۔ بایں ہمہ ہم نے توثیق وتضعیف میں جملہ آئمہ جرح وتعدیل اور اکثر ائمہ حدیث کا ساتھ اور دامن نہیں چھوڑا۔ مشہور ہے: زبان خلق کو نقارہء خدا سمجھو(احسن الکلام طبع دوم: 1/40، طبع دہم: 1/61 واللفظ للاول)

اس عبارت میں جو اصول، نظریہ اور مسلک پیش کیا گیا ہے لائق تعریف ہے اور ہم سو فی صد اس کے ساتھ متفق ہیں لیکن دیکھنا یہ ہے کہ کیا جناب سرفراز صفدر نے خود اپنے اس صول پر اپنی اس کتاب میں عمل کیا، یا اصول شکنی کا ارتکاب کیا ہے؟

امام المغازی محمد بن اسحاق بن یسار المدنی نے، حدیث مکحول عن محمود بن الربیع الانصاری عن عبادۃ الصامت کی سند سے ایک حدیث بیان کی جس میں آیا ہے، رسول اللہ ﷺ نے (اپنے مقتدیوں سے) فرمایا: میں تمہیں دیکھتا ہوں کہ تم امام کے پیچھے پڑھتے ہو؟ صحابہ نے کہا یارسول اللہ! اللہ کی قسم ہم پڑھتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

ایسا مت کرو مگر سورہ فاتحہ (پڑھو) کیونکہ اس کی نماز نہیں ہوتی جس نے اسے نہیں پڑھا۔ (مسند احمد: 23125)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز میں سورہ فاتحہ پڑھنا ہر مکلف پر فرض ہے اور مقتدی کی نماز بھی سورہ فاتحہ پڑھے بغیر نہیں ہوتی۔

اس حدیث پر جرح کرتے ہوئے جناب سرفراز خان صفدر لکھتے ہیں:

پہلا جواب: محمد بن اسحاق کو گو تاریخ اور مغازی کا امام مانا جاتا ہے لیکن محدثین اور ارباب جرح وتعدیل کا تقریباً پچانوے فی صدی گروہ اس بات پر متفق ہے کہ روایتِ حدیث میں اور خاص کر سنن اور احکام میں ان کی روایت کسی طرح بھی حجت نہیں ہوسکتی اور اس لحاظ سے ان کی روایت کا وجود اور عدم وجود بالکل برابر ہے۔ تصریحات ملاحظہ کریں:

امام نسائی ؒ فرماتے ہیں کہ وہ قوی نہیں۔ (ضعفاء صغیر: ص52)

ابوحاتم کہتے ہیں کہ وہ ضعیف ہے۔ (کتاب العلل: 1/433)

ابن نمیر کہتے ہیں کہ وہ مجہول رواۃ سے باطل روایات نقل کرتا ہے۔ (بغدادی: 1/ 227)

دارقطنی کہتے ہیں کہ اس سے احتجاج صحیح نہیں۔ (ایضاً: 1/232)

سلیمان تیمی کہتے ہیں کہ وہ کذاب ہے، ہشام بن عروہ کہتے ہیں کہ وہ کذاب ہے، امام جرح وتعدیل یحی قطان کہتے ہیں کہ میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ وہ کذاب ہے۔ (میزان۔ جلد3 ص21)

وہیب بن خالد اس کو کاذب اور جھوٹا کہتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب۔ جلد9 ص45)

امام مالک فرماتے ہیں کہ وہ دجالوں میں کا ایک دجال تھا۔ (میزان: 3/ 21 وتہذیب التہذیب: 9/ 41)

نیز امام مالک نے اس کو کذاب کہا ہے۔ (تاریخ بغدادی، جلد1 ص232)

جریر بن عبد الحمید کا بیان ہے کہ میرا یہ خیال نہ تھا کہ میں اس زمانہ تک زندہ رہوں گا جس میں لوگ محمد بن اسحاق سے احادیث کی سماعت کریں گے (تہذیب التہذیب۔ جلد2 ص306)

ابوزرعہ کا بیان ہے کہ بھلا ابن اسحاق کے بارے میں بھی کوئی صحیح نظریہ قام کیا جاسکتا ہے؟ وہ تو محض ہیچ ہے۔ (توجیہہ النظر: ص280)

امام بیہقی فرماتے ہیں کہ محدثین اور حفاظ حدیث ابن اسحاق کے تفردات سے گریز کرتے ہیں۔ (سنن الکبری بحوالہ الجوہر النقی جلد1 ص155)

علامہ ماردینی لکھتے ہیں کہ ابن اسحاق میں محدثین کے نزدیک مشہور کلام ہے (الجوہر النقی: 1/ 155)

عبد اللہ فرماتے ہیں کہ میرے والد امام احمد بن حنبل لم یکن یحتج به فی السنن۔ (بغدادی: 1/ 230 وتہذیب التہذیب: 9/44) سنن اور احکام میں وہ ان سے احتجاج نہیں کرتے تھے۔

حنبل بن اسحاق کا بیان ہے کہ میں نے امام احمد سے دریافت کیا، ابن اسحاق جب کبھی حدیث کے بیان کرنے میں متفرد ہو تو اس کی حدیث حجت ہوگی؟ قال لاو اللہ (بغدادی: 1/ 230) فرمایا: بخدا ہرگز نہیں

ابن ابی خیثمہ کا بیان ہے کہ ابن معین نے اس کو لیس بذلک، ضعیف اور لیس بالقوی کہا، میمونی کا بیان ہے کہ ابن معین نے اسکو ضعیف کہا ہے۔ (بغدادی: 1/ 231؛ تہذیب التہذیب: 9/44)

علی بن المدینی کا بیان ہے لم یضعف عندی الاروایۃ عن اہل الکتاب (تہذیب: 9/ 45) میرے نزدیک ابن اسحاق کو صرف اس بات نے ضعیف کر دیا ہے کہ وہ یہود ونصاری سے روایتیں لے لے کر بیان کرتا ہے۔

امام ترمذی لکھتے ہیں کہ بعض محدثین نے ان کے حافظہ کی خرابی کی وجہ سے اس میں کلام کیا ہے۔ (کتاب العلل: 2/ 237)

امام نووی لکھتے ہیں کہ جو راوی صحیح کی شرطوں کے مطابق نہیں ہیں ان میں سے ایک محمد بن اسحاق بھی ہے (مقدمہ نووی۔ ص16)

علامہ ذہبی لکھتے ہیں کہ ابن اسحاق کی روایت درجہ صحت سے گری ہوئی ہے اور حلال وحرام میں اس

سے احتجاج درست نہیں (تذکرہ۔ جلد 1 ص 163)

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں :

ابن اسحاق احکام کی روایت میں حجت نہیں خصوصاً جب کہ متفرد ہو اور جب کوئی ثقہ راوی اس کے خلاف روایت کرتا ہو تو ابن اسحاق کی روایت قابل توجہ ہی نہیں ہو سکتی۔ (درایہ: ص 193)

حافظ ابن القیم لکھتے ہیں کہ امام احمد نے ابن اسحاق کی روایت کو منکر کہا ہے اور اس کو ضعیف بتایا ہے۔ (زاد المعاد: 1/ 143)

علامہ منذری اور حافظ سخاوی لکھتے ہیں کہ امام احمد نے فرمایا: مغازی میں ابن اسحاق کی روایات تو لکھی جا سکتی ہیں لیکن جب حلال و حرام کا مسئلہ ہو تو اس میں ایسے ایسے راوی (یعنی ثقہ اور ثبت) درکار ہیں۔ (ترغیب وترہیب : 4/290 ؛ فتح المغیث: ص 120)۔ (احسن الکلام: 2/70 تا 72 واللفظ لہ، دوسرا نسخہ: 2/ 77-80)

اس کے بعد جناب سرفراز خان صفدر نے شوکانی، نواب صدیق حسن خان اور محمود حسن دیوبندی کی جرحیں نقل کر کے لکھا ہے:

آپ ملاحظہ کر چکے ہیں کہ شاید ہی جرح کا کوئی ادنی سے اعلی تک ایسا لفظ ملے گا جو جمہور محدثین اور ارباب جرح و تعدیل نے محمد بن اسحاق کے بارے میں نہ کہا ہو۔ (احسن الکلام: 2 / 72، دوسرا نسخہ ص 80)

جرح و تعدیل میں خیانتوں اور تحریفات سے قطع نظر مذکورہ کل جارحین کے نام علی الترتیب درج ذیل ہیں:

1۔ نسائی۔ 2۔ ابو حاتم۔ 3۔ ابن نمیر۔ 4۔ دارقطنی۔ 5۔ سلیمان تیمی۔ 6۔ ہشام بن عروہ۔ 7۔ یحیی القطان۔ 8۔ وہیب بن خالد۔ 9۔ مالک۔ 10۔ جریر بن عبد اللہ۔ 11۔ ابو زرعہ۔ 12۔ بیہقی۔ 13۔ ماردینی (ابن الترکمانی حنفی)۔ 14۔ احمد بن حنبل۔ 15۔ ابن معین۔ 16۔ علی بن المدینی۔ 17۔ ترمذی، 18۔ نووی، 19۔ ذہبی۔ 20۔ ابن حجر۔ 21۔ ابن قیم۔

احسن الکلام کے جدید اڈیشن میں محمد بن اسحاق بن ندیم رافضی گمراہ کو بھی جارحین میں ذکر کیا گیا ہے لیکن عام طلبا کو بھی معلوم ہے کہ غیر ثقہ رافضی کی جرح یا تعدیل کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا۔ ابن الجوزی کو بھی جارحین میں شمار کیا گیا ہے لہذا رافضی کو ملا کر سرفراز خان صفدر کی عبارت میں کل جارحین کی تعداد 23 ہے۔

یاد رہے کہ سرفراز خان کے ذکر کردہ جارحین اور جرح کے بہت سے حوالوں میں نظر ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے جناب ارشاد الحق اثری کی کتاب توضیح الکلام۔

شوکانی، صدیق حسن اور محمود حسن وغیرھم کو ہم زمانہ تابعین کے راوی پر جرح و تعدیل سے ایک طرف رکھ کر عرض کرتے ہیں کہ

محمد بن اسحاق بن یسار کو پچاس سے زیادہ محدثین اور علمائے کرام نے ثقہ و صدوق اور روایت حدیث میں صحیح الحدیث یا حسن الحدیث قرار دیا ہے جس کے مستند اور مضبوط حوالے موجود ہیں۔ بسم اللہ کیجئے اور ملاحظہ فرمائیں:

1۔ امام شعبہ بن الحجاج نے فرمایا :

محمد بن اسحاق صدوق فی الحدیث۔ محمد بن اسحاق حدیث میں صدوق (سچے ہیں)۔ (کتاب الجرح والتعدیل : 7/192 192 وسندہ صحیح)

اور فرمایا محمد بن اسحاق امیر المحدثین (محدثین کے امیر : محمد بن اسحاق)۔ (کتاب الجرح والتعدیل: 7/192 وسندہ حسن)

امام شعبہ نے ایک روایت میں فرمایا : امیر المومنین لحفظہ (وہ اپنے حافظے کی وجہ سے محدثین کے امیر تھے)۔ (جزء القراءۃ للبخاری بتحقیق حافظ زبیر علی زئی : 146، وسندہ صحیح، التاریخ الکبیر للبخاری: 1/ 40)

اور فرمایا : ابن اسحاق سید المحدثین لحال حفظہ۔ (ابن اسحاق اپنے حافظے کی وجہ سے محدثین کے سردار تھے۔ (تاریخ بغداد۔ جلد 1 ص 228 وسندہ صحیح)

امام شعبہ نے فرمایا: محمد بن اسحاق امیر المومنین فی الحدیث۔ (محمد بن اسحاق حدیث میں امیر المومنین تھے)۔ (تاریخ بغداد: 1/ 228 وسندہ صحیح)

2۔ المفضل بن غسان الغلابی نے امام یحیی بن معین سے محمد بن اسحاق کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے فرمایا: کان ثقۃ وکان حسن الحدیث۔ وہ ثقہ تھے اور وہ حسن الحدیث تھے۔ (تاریخ بغداد: 1/218، ت 51 وسندہ صحیح)

اور ایک روایت میں فرمایا: کان محمد بن اسحاق ثبتاً فی الحدیث۔ محمد بن اسحاق حدیث میں ثبت (ثقہ) تھے۔ (کتاب الثقات لابن حبان: 7/ 283 وسندہ صحیح)

امام یحیی بن معین سے پوچھا گیا: اگر کوئی شخص کہے کہ محمد بن اسحاق (حدیث میں) حجت تھے تو کیا یہ شخص حق بجانب ہے؟ انہوں نے فرمایا: لا، ولکنہ ثقۃ (نہیں، لیکن وہ ثقہ تھے)۔ (تاریخ ابی زرعہ الدمشقی، 1180، وسندہ صحیح)

3۔ امام بخاری نے صحیح بخاری میں محمد بن اسحاق سے شواہد اور متابعات وغیرہ میں بہت سی روایات لیں مثلاً: ح 1468، 1774، 1838، قبل ح 2192، ح 2383، 2384، 2525، 2709، 2718، قبل ح 2990، ح 3140، 3856، قبل 3949، قبل 4028، قبل 4086، ح 4127، قبل 4138، ح 4259، قبل 4358، قبل 4366، ح 4931، 5934، 5527، 5992، 6795، 7126)

☆☆☆

